دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

VOL.No.10	مئی ۲۰۱۵ء (May 2015) رجب / شعبان ۱۴۳۶ھ	Issue.No. 3

مجلس سرپرستان

مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری

عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی

مولانا حسن مرچی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی

مولانا محمد احمد صالح جی — الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت

مولانا حافظ محمد ایوب — مولانا محمد زکریا پٹیل

مولانا یحییٰ بام، مولانا رشید احمد ندوی، مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر	مدیر انتظامی	مدیر معاون
محمد مسعود عزیزی ندوی	حافظ عبدالستار عزیزی	ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM

MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129

(U.P)INDIA. Cell.09719831058

E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in

masood_azizinadwi@yahoo.co.in

www. nuqoosheislam.com , www. mifiin.org

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ.................۲۰/روپے

سالانہ........................۲۴۰/روپے

خصوصی...... ......۵۰۰۰/روپے

ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I

Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین

09675335910/09813806392

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN

PRINTEDAT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR

EDITOR: MD FURQAN

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
ملفوظات		۷
حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ	مولانا ڈاکٹر محمد حسین للہی	
دعوت دین		۹
شرک کرنے والوں کی حماقت	حضرت مولانا خرم علی بلہوریؒ	
رہنمائے طلباء		۱۱
طلبہ تحریک کے مقاصد اور اہم وسائل	ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکل	
حکمت خداوندی		۱۶
زمین وآسمان کو چھ دن میں بنانے کی حکمت	محمد مسعود عزیزی ندوی	
تربیت اولاد		۱۹
جنس کی تعلیم اور اس کی تربیت	مولانا رحمت اللہ ندوی نیپالی لکھنؤ	
طریقہ تعلیم		۲۱
کامیاب معلم کی خصوصیات	مولانا حفیظ اللہ ندوی، بہٹ سہارنپور	
تاریخ ہند		۲۵
ہندوستان میں غیروں کی حکمرانی......	مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکل	
تجزیہ		۳۰
دنیا اور آخرت میں گناہوں کی سخت سزائیں	مولانا محمد حذیفہ غلام وستانوی	
غور وفکر		۳۸
باتیں صلیبی کمانڈر لوئیس نہم کی	مولانا فتح محمد ندوی دہلی	
عظمت صحابہ		۴۰
صحابہ کرام کی شان میں گستاخی......	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
تبصرے		۴۷
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰............
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
¼ صفحہ //		۴۰۰............

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زر تعاون مبلغ ۲۴۰ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

حمیداللہ قاسمی کبیرنگری

اللہ تبارک وتعالی کا یہ فیصلہ اٹل ہے کہ جب تک اس روئے زمین پر اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی رہے گا، اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، لیکن ایسا لگتا ہے کہ وہ دن آہستہ آہستہ قریب آرہا ہے، قیامت کی نشانیاں آئے دن دیکھنے کو ملنے لگی ہیں اور وہ باتیں بھی وقوع پذیر ہونے لگی ہیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہوا ہے، آثار قیامت کے ظاہر ہونے کے باوجود بھی ہم بڑی ڈھٹائی سے وہ کام انجام دے رہے ہیں جن کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے، افسوس کا مقام یہ ہے کہ ان تمام نشانیوں کے باوجود بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں، خواب غفلت میں پڑے ہوئے اس طرح سو رہے ہیں کہ بیدار کرنے کے باوجود بھی ہم بیدار نہیں ہو رہے ہیں، مزید یہ بھی کہ کھلم کھلا ہم اللہ کی نافرمانیاں کرتے چلے جا رہے ہیں، جان بوجھ کر بھی اللہ کے اصول وضوابط کو توڑے جا رہے ہیں، رسم ورواج، شادی بیاہ میں اس طرح ڈوبے ہوئے ہیں کہ غیروں کے طریقے کو بھی اپنائے جا رہے ہیں اور ہر ناجائز چیز کو جائز تصور کرنے لگے ہیں، ساتھ ہی ساتھ بڑی دلیری وجرأت کے ساتھ اسراف وفضول خرچی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے ہمارا ایمان اور عقیدہ تار عنکبوت سے زیادہ کمزور ہو گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم ہر جگہ ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔

عبرت کا مقام ہے کہ آج کا مسلمان ایمان سے بالکل خالی ہو گیا ہے اور ایک لاش کی مانند ہو گیا ہے، اس لئے دنیا کی ہر قوم انہیں مٹانے کے درپے ہے، مسلمان لاکھ کوششوں کے باوجود بھی ناکام نظر آرہے ہیں، چونکہ آج ان کے اندر وہ طاقت اور اسپرٹ نہیں کہ غیروں کا مقابلہ کر سکیں، ان کی آنکھوں سے آنکھیں ملا سکیں، ان کے پاس وہ چیز نہیں ہے جو کل کے مسلمانوں کے اندر تھی، ان کے پاس وہ ایمان نہیں ہے جو کل کے مسلمانوں کے اندر تھا، ان کے پاس وہ للّٰہیت نہیں ہے جو کل کے مسلمانوں کے اندر تھی، اب اگر اللہ تعالی سے شکایت کریں کہ فلاں قوم نے ہم پر ظلم کیا ہے، فلاں مذہب والوں نے ہم کو ستایا ہے، فلاں حکومت نے ٹارچر کیا ہے، عیسائیوں اور یہودیوں نے بھی ظلم کیا ہے، نیز آئے دن یہ خبر سننے کو ملتی ہے کہ فلاں جگہ اتنے مسلمان مار دیئے گئے، یا اتنے مسلمان قتل کر دیئے گئے، تو یہ شکوہ بیجا اور غلط ہے، مسلمانوں کو کسی نے نہیں مارا اور نہ کسی نے برا بھلا کہا، دنیا کی کسی قوم کے اندر یہ طاقت نہیں کہ کسی مؤمن یا مسلمان کو کوئی نقصان یا ضرر پہنچا سکے، یا ان کی آنکھ سے آنکھ ملا سکے، بلکہ مسلمان خود بخود اپنے اوپر ظلم کرتے جا رہے ہیں، کل مسلمان جس چیز سے زندہ تھے وہ قرآن کی روح تھی، ایمان کی روح تھی، آج وہ روح ان کے اندر سے نکل چکی ہے، تو ایک پڑی ہوئی لاش کی مانند ہو گئے ہیں، اب اگر انہیں کوئی مارے یا جلا دے یا ختم کر دے تو رونے دھونے اور افسوس کرنے سے کیا فائدہ، جب جسم میں جان ہی نہیں ہے، تو جسم کے وجود کو باقی رکھنا بھی غلط ہے

اس لئے آج ساری دنیا متحد ہوکر مسلمانوں کو دفنا رہی ہے، ختم کر رہی ہے، تو شکوہ کرنے کی کیا بات ہے؟ انہی مسلمانوں کو دیکھ کر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جواب شکوہ میں بہت پہلے کہا تھا:

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود ۞ ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود ۞ یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو ۞ تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

آج مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ ان کو پہچاننا مشکل ہوگیا ہے، مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں رہا، آج جو مسلمان دکھائی دے رہے ہیں، حقیقت میں مسلمان نہیں ہیں بلکہ صرف نام سے مسلمان ہیں، کیونکہ آج کے مسلمان مغربیت کی دلدل میں پھنس کر، ان کا لباس پہن کر، ان کا طور طریقہ اپنا کر، ان کی ڈگر پر چل کر اپنے ایمان واسلام سے کوسوں دور ہو چکے ہیں اور اپنے شعار اور لباس کو ترک کر چکے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور اسوہ مسلمانوں کے لئے آئیڈیل نہیں رہا، یہود ونصاریٰ کا طریقہ اور اسوہ مسلمانوں کے لئے آئیڈیل ہوگیا ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر حلال وحرام کی تمیز ختم ہو چکی ہے، یہ امت جو غیروں کو سکھانے اور تعلیم دینے کیلئے پیدا کی گئی تھی، آج وہ خود ہی غیروں سے تعلیم حاصل کر کے ان کے طریقے کو اپنا رہی ہے اور دن بدن انہی کے رنگ میں رنگتی چلی جارہی ہے اور ذرہ برابر احساس نہیں ہو رہا ہے۔

۞۞۞۞۞ —————— ۞۞۞۞۞

یہودیوں کی سب سے بڑی سازش یہی تھی کہ مسلمانوں کو کسی طرح سے کمزور کر دیا جائے اور ان کو کمزور کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اُن کے اندر سے ایمانی روح اور طاقت کو ختم کر دیا جائے، صرف دیکھنے میں مسلمان نظر آئیں، اندر سے مغربیت کے پروردہ اور عاشق ہو جائیں بلکہ دنیا کے سارے مسلمان مرد وعورت مغربیت کے سانچے میں پورے طور پر ڈھل جائیں، چنانچہ ماضی میں صلیبی جنگ کے کمانڈر مسٹر ''لوئس'' نے اپنی قوم کو وصیت کرتے ہوئے یہی کہا تھا کہ ''تم مسلمانوں کو جنگی ساز وسامان اور کثرت تعداد کے باوجود جنگ میں شکست نہیں دے سکتے ہو، کیونکہ میں نے ۹ مرتبہ ان سے زور آزمائی کی ہے، لیکن ہزیمت کی شکل میں ہر مرتبہ مجھے ذلت ورسوائی کا منہ دیکھنا پڑا، اس لئے اگر تم مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے ہو یا ان پر غلبہ پانا چاہتے ہو تو تمہیں جنگ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا، وہ راستہ یہ ہے کہ تم لوگ ان کے ایمان اور عقیدۂ توحید کو کمزور کر دو''۔

۞۞۞۞۞ —————— ۞۞۞۞۞

آج پوری دنیا میں نظر دوڑائیں اور پوری دنیا کا جائزہ لیں تو پتہ چل جائے گا کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں، یا جس جگہ بھی ہیں وہ محکومی کی زندگی گزار رہے ہیں، وجہ صرف یہی ہے کہ ان کا عقیدہ اور ایمان بالکل کمزور ہو چکا ہے، توکل علی اللہ کے بجائے دنیاداری اور مادیت پرستی ان کا شیوہ بن گیا ہے اور وہ فکری انحطاط کا شکار ہیں، ایک وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں سے انسان تو انسان جنگل کا شیر بھی ڈرتا تھا، ان کی آواز میں ایمان کی وہ کڑک اور گرج تھی کہ بڑے بڑے جانور بھی سامنے سے سر جھکائے ہوئے چلے جاتے تھے، شجر وحجر سلامی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، لیکن آج مسلمان خود ان چیزوں سے خوف زدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ

چھوٹی سی چھوٹی قومیں بھی آج ان پر حکومت کر رہی ہیں، ان کی زندگی کا ریموڈ غیروں کے ہاتھوں میں ہے، ان کو جہاں چاہتے ہیں چلاتے ہیں اور مسلمان بے جان ہونیکی وجہ سے ان کے اشاروں پر چلتے ہیں، مسلمان محض ایک غلام کی مانند ہو گئے ہیں، یہ سب دین سے دوری کا سبب ہے جس کی وجہ سے دنیا میں ذلیل وخوار ہوتے جا رہے ہیں، ہر جگہ ناکامی ہی نظر آ رہی ہے، سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ کوئی بھی ان کو روپئے پیسہ کا لالچ دیکر یا منصب وعہدہ کا لالچ دیکر خریدنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ ہیں کہ ان کے ہاتھوں بکے جا رہے ہیں، ان کے اعمال اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ پوری دنیا متحد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے نام ونشان کو مٹانے کے درپے ہیں، قصور صرف یہی ہے کہ مسلمان اپنی راہ سے ہٹ گئے ہیں، اور اپنی ماضی کی تاریخ کو بھلا بیٹھے ہیں: ؎

آتی ہے دم صبح صدا عرش بریں سے ❖ کھویا گیا کس طرح تیرا جوہر ادراک
کس طرح ہوا کند، تیرا نشتر تحقیق ❖ ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

جب غزہ پر یہودیوں کا قبضہ ہو گیا تو وہاں کے سیدھے سادھے مسلمان اپنی اپنی جانیں بچا کر بھاگنے لگے، ایک عالم دین نے سوچا کہ اب تو یہ یہاں پر یہودیوں کا قبضہ ہو گیا ہے کسی طرح یہاں سے نکل جانا ہی بہتر ہے، چنانچہ ایک دن وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ہانپتے کانپتے ہوئے قاہرہ کی جانب چلے جا رہے تھے، اچانک ایک یہودی کمانڈر کی کار ان کے سامنے سے گزری، یہ عالم بیچارے بچوں کی انگلیاں پکڑے ہوئے جا رہے تھے، اس یہودی کمانڈر کو ان کے بڑھاپے پر کچھ رحم آیا، اس نے فوراً کار روک لی اور اتر کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے فوراً اپنا نام بتلایا، پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ عالم صاحب نے کہا کہ قاہرہ جا رہا ہوں، اس یہودی نے کہا کہ آپ کے پاس سواری نہیں ہے، قاہرہ یہاں سے چالیس میل دور ہے، آپ میری کار میں بیٹھ جائیں، میں آپ کو سرحد پر لے جا کر چھوڑ دوں گا، آپ اپنے بیوی بچوں کو کہاں لیکر پھریں گے، عالم صاحب پہلے تو بہت گھبرائے، لیکن ہمت کر کے ان کی گاڑی میں بیٹھ گئے، کچھ دور جا کر اس یہودی کمانڈر نے اپنی کار کو ایک خیمے میں داخل کیا اور انہیں اتارا کہ آپ تھوڑی دیر یہاں آرام کریں، میں کچھ کھانا وغیرہ لاتا ہوں، کھا پی لیں گے پھر چلیں گے، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اس یہودی نے عالم صاحب کو صوفے پر بٹھایا اور خود کمانڈر ہونے کے باوجود نیچے بیٹھ گیا اور کہا کہ ''کیا آپ حضرت عمر سے واقف ہیں؟ اس عالم دین نے کہا کہ وہ تو ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں'' کمانڈر نے کہا کہ کیا آپ ان کے کچھ اوصاف بیان کر سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں، چنانچہ اس عالم دین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اوصاف وکمالات بیان کرنا شروع کر دیئے، وہ سنتا رہا، اس نے کہا کہ یہی اوصاف تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے، کہا جی ہاں'' اس یہودی کمانڈر نے کہا کہ جب تک یہ اوصاف مسلمانوں میں تھے تو ہم یہودی ان کی جوتیوں کے نیچے تھے، آج آپ کی کیا حالت ہے؟ ذرا غور کیجئے، ظاہر کچھ اور باطن کچھ، آپ کے اور حضرت عمر کے ایمان میں زمین وآسمان کا فرق ہے، آپ کے اندر جو روح ہے وہ ایمان سے بالکل خالی ہے، جب آپ کے جسم میں ایمانی روح نہیں ہے تو آپ کے اندر وہ جوش اور جذبہ کہاں پیدا ہو گا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جسم میں پیوست تھا، مزید اس نے یہ بھی کہا آپ جس خیمہ میں اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں،

یہ دراصل ایک مسلمان مصری کمانڈر کا کمرہ ہے، اس کے تحت کل پچیس فوجی تھے، یہ اس کا خیمہ ہے، شراب کی بوتلیں اس میں سجی ہوئی ہیں، صوفے اس میں لگے ہوئے ہیں، ناجائز عورتیں ان کے ساتھ تھیں، وہ یہودیوں سے لڑنے کیلئے آئے تھے، لیکن وہ ناکام ہوگئے، ناکام ہونے کی وجہ صرف یہی ہے کہ آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اوصاف ان میں نہیں تھے، بلکہ ان کے اندر گھناؤنے اوصاف پیدا ہوگئے تھے، وہ شراب وکباب کے عادی تھے، اس لئے وہ جنگ ہار گئے، اور یہودیوں کی جوتیوں کے نیچے آ گئے، اب یہ عالم صاحب چپ ہوگئے، کوئی جواب نہ بن پایا، یہودی نے کہا ہے، مجھے صرف یہی بتلانا تھا، اب آپ چلیں میں آپ کو پہنچادوں گا، اس نے کار میں بٹھا کر قاہرہ کی سرحد پر لے جا کر چھوڑ دیا اور شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اب ہم آپ کے دین کے مقابلے پر نہیں، بلکہ آپ لوگوں کے مقابلے پر ہیں، آپ نہ اپنے دین کے ہیں، نہ ہمارے دین کے، آپ لوگ تو اس روئے زمین پر ایک لاش اور میت کی مانند ہیں، اس لئے آپ لوگوں کو ختم کرنا ہی بہتر ہے، چونکہ آپ جانتے ہیں کہ کسی میت یا لاش کو اگر یونہی چھوڑ دیا جائے تو یقیناً اس لاش سے بدبو پھیلے گی اور پورا معاشرہ بدبودار ہو جائے گا، اس لئے اس کو چھپانے اور ختم کرنے کیلئے ہر انسان کوشش کرتا ہے، اب آپ لوگوں کو بھی ختم کرنے کیلئے پوری دنیا تلی ہوئی ہے، آپ لوگ ہوشیار ہو جاؤ''۔

مسلمانو! غور کرنے کا مقام ہے کہ آج ہم کتنے بے وقعت اور بے قیمت ہوگئے ہیں کہ ساری دنیا ہماری مخالفت کر رہی ہے، اور لعنت بھیج رہی ہے، دنیا کے ہر گوشے میں مسلمانوں کے اوپر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، یہی نہیں بلکہ ہماری عزت وآبرو سے کھیلا جارہا ہے، پھر بھی ہمارے تمام حکمراں غیروں کے دست نگر ہیں، ہمارے اندر عیاشی، زناکاری، جوئے اور شراب جیسی لت لگنے کی وجہ سے آئے دن زلزلے پر زلزلے آتے ہیں، ابھی حال ہی میں وقفے وقفے سے پڑوسی ملک نیپال اور یوپی کے مختلف خطوں میں بھیانک زلزلے آتے رہے اور ہلاکت خیز تباہی مچاتے رہے، یہ سب قیامت کی نشانیاں نہیں تو اور کیا ہیں؟ آج ہمارے اوپر جو مصیبتیں آرہی ہیں چاہے وہ طوفان کی شکل میں ہوں، زلزلہ کی شکل میں ہوں یا بے موسم بارش وژالہ باری کی شکل میں ہوں یہ سبھی ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے، اس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہئے، سمندر کے اندر جو مخلوقات ہے وہ بھی اللہ کی حمد وثنا کرتی ہے اور ہم اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود بھی اللہ سے روگردانی اختیار کر رہے ہیں تعجب کی بات ہے، ہمارے لیے تو ہر وقت اللہ کو یاد کرنا لازمی اور ضروری تھا، اگر ہم لوگ خدا کی یاد سے غفلت برتیں گے تو یقیناً اللہ تعالی ہماری جگہ پر دوسری قوم کو پیدا کردے گا اور ہمیں نیست ونابود کردے گا، اس لئے اے مسلمانو! خدا سے ڈرو! اور اس کے عذاب سے پناہ چاہو، جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اس کی راہ پر چلتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوتے ہیں، اور جو لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے اور اس کی راہ کو چھوڑ کر شیطان کی راہ پر چلتے ہیں ان کیلئے دنیا اور آخرت میں خرابی ہی خرابی ہے۔

اللہ کی راہ اب بھی ہے کھلی آثار ونشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

ملفوظات

ملفوظات

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ

مولانا ڈاکٹر محمد حسین للہی

اللہ تعالیٰ نے جنت کا ذائقہ نصیب فرمادیاہے:

حضرت نے فرمایا کہ پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی ایسی باتیں منقول ہیں کہ عقل سے باہر معلوم ہوتی ہیں، اور جن لوگوں پر ایسے حالات نہیں گزرے وہ ان کا انکار کرتے ہیں؛ لیکن الحمدللہ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جن پر ایسے حالات گزرے ہیں، اس سے ہم کو سابقین کی سچائی معلوم ہوتی ہے، حضرت پیران پیر سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا کہ ''اگر میں سال بھر پانی نہ پیوؤں تو نہ پیوؤں، سال بھر کھانا نہ کھاؤں تو نہ کھاؤں''۔

فرمایا: یہی حال ہم نے اپنے حضرت کا دیکھا ہے کہ آخری عمر میں کھانا چھوڑ دیا تھا، بلکہ آخری رمضان میں دونوں وقت کا کھانا چھوڑ دیا تھا، رات کا کھانا تو ہر رمضان میں پہلے بھی نہیں کھایا کرتے تھے، مگر اس دفعہ دونوں وقت کا سحری اور افطاری کا ترک کر دیا تھا، ساری رات صبح تک قرآن شریف ہی سنتے رہتے تھے، سحری کے وقت میں سادہ چائے لے جایا کرتا، عرب کی چھوٹی فنجان میں سے صرف ایک گھونٹ برائے نام پی لیتے، ایک پتلی چپاتی، ایسی پتلی کہ کہیں دیکھی نہیں، اس میں سے صرف ایک چھوٹا سا لقمہ توڑتے اور چائے کی ایک چمچی سے حلق میں اتار لیتے، دو تین دن تو میں عرض کرتا رہا کہ حضرت آپ دونوں وقت کھانا نہیں کھاتے، ضعف ہو جائے گا، لیکن جواب نہیں دیا، تیسرے چوتھے روز فرمایا، مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ نے جنت کا ذائقہ نصیب فرمادیا ہے، اس کھانے کی ضرورت نہیں رہی، چہرہ ایسا سرخ تھا جیسا بڑے لذیذ کھانے کھاتے ہیں، موت کا بہت شوق تھا، بڑے ذوق سے فرمایا کرتے، جب اللہ تعالیٰ وہ وقت نصیب فرمائے تو سنت کے مطابق تجہیز و تکفین کرنا۔

بھوک سے بیتاب ہونا:

حضرت نے فرمایا کہ پیران پیر کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ طالب علمی کے زمانے میں کئی دنوں کا فاقہ تھا، جب بہت کمزور ہو گئے تو خیال کیا کہ کنجڑے جہاں سبزی بیچتے ہیں وہاں جانا چاہئے، وہاں ان کے کچھ پتے وغیرہ گر جاتے ہیں، وہی اٹھا کر کھالوں گا، جس سے پیٹ میں کچھ نہ کچھ پہنچ جائے گا، وہاں گئے تو دیکھا کہ کچھ اور لوگ بھی اسی غرض سے آئے ہیں اور پتے چن رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھے غیرت آئی اور بغیر کچھ اٹھائے اور کھائے واپس آ گیا اور بھوک کی تکلیف کی وجہ سے ایک مسجد میں جا کر سو رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی آیا اور اپنا دسترخوان کھول کر کھانا کھانے بیٹھ گیا، روٹی کے ساتھ کباب، گوشت اور حلوہ بھی تھا، میں جب اسے کھاتے اور منہ کی طرف لقمہ لے جاتے دیکھتا تو بے اختیار میرا منہ کھل جاتا، دو تین دفعہ ایسا ہوا، بالآخر میں نے ''لاحول'' پڑھا اور ادھر سے منہ پھیر کر سو رہا، اس شخص نے پوچھا کہ بتاؤ اس شہر میں عبدالقادر جیلانی کہاں رہتے ہیں؟ میں نے کہا میں ہی ہوں، کہنے لگا آؤ میرے ساتھ کھانا کھاؤ، میں نے معذرت کی تو وہ کہنے لگا آؤ کھالو، میں بھی تمہارا ہی کھانا کھا رہا ہوں، یہ کھانا تمہاری والدہ ماجدہ نے مجھے جیلان سے تمہارے لیے کچھ رقم دے کر بھیجا ہے کہ ان کو دے آؤ، مجھے بھی تین دن سے فاقہ تھا، جب بھوک سے پریشان ہوا تو آپ کی رقم سے کھانا لا کر کھا رہا ہوں، پھر حضرت نے اس کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔

حافظ قرآن کا قبر میں تلاوت کرنا:

حضرت والا نے فرمایا کہ مولوی غلام رسول صاحب جالندھریؒ نے ایک دفعہ بیان کیا کہ میرے استاذ کی کسی نے دعوت کی، میں بھی ساتھ تھا، کھانا کھانے کے بعد جب واپس ہونے لگے تو صاحب دعوت نے استاذ صاحب کی بھینس کے لیے چارہ بھی دیا، وہ میں اپنے سر پر اٹھالیا، رات کا وقت تھا، استاذ صاحب آگے آگے چل رہے تھے اور میں پیچھے پیچھے چل رہا تھا، اثنائے راہ میں قضاء حاجت کی ضرورت مجھے پڑی تو میں ایک طرف کو چلا گیا، جب واپس آیا تو دیکھا کہ استاذ صاحب قبرستان میں ایک قبر کی چہاردیواری کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہیں، کوئی آدمی جو دکھائی نہیں دیتا قرآن مجید پڑھ رہا ہے اور آپ سن رہے ہیں، میں نے بھی آواز سنی، میں کود کر دیوار کے اوپر چڑھ گیا، دیکھا تو کچھ نہ تھا، معلوم ہوا کہ وہ قبر کسی حافظ قرآن کی ہے اور وہ قبر میں سے قرآن مجید پڑھ رہا ہے، جب کافی دیر ہوگئی تو میں نے استاذ صاحب سے کہا کہ دیر ہوگئی اب چلیں، بس اس پر آواز بند ہوگئی۔

قرآن کی تلاوت سے مردہ سے بات چیت:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم اور ان کے ایک بھائی ایک دفعہ کسی آدمی کی تلاش میں نکلے اور ایک جنگل میں پہنچے، دوپہر کو تھک کر ایک درخت کے نیچے آبیٹھے، اس درخت کے پاس چند قبریں تھیں، شاہ صاحب کے بھائی تو سوگئے، انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کردی، جو بزرگ سوگئے تھے ان کو خواب میں ایک صاحبِ قبر آئے اور کہنے لگے مدت ہوئی ہم نے قرآن مجید نہیں سنا تھا، آج آپ کے بھائی سے سنا ہے، آپ اپنے بھائی سے کہیں کہ وہ پڑھنا بند نہ کریں اور پڑھیں، وہ اٹھے تو اپنے بھائی شاہ عبدالرحیم صاحب سے خواب بیان کیا اور کہا کہ اس جگہ چند قبریں ہیں اور ایک مردے نے مجھے یوں کہا ہے...... چنانچہ انہوں نے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا، پھر وہ مردہ ان سے مخاطب ہوا، شاہ صاحب نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ اور ارد گرد کے مردوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا مجھے دوسروں کا تو حال معلوم نہیں، میرا اپنا حال یہ ہے کہ میں دنیا کی زندگی میں ہمیشہ یہ خیال کرتا تھا کہ فلاں دھندے سے فارغ ہوجاؤں گا تو اللہ اللہ کیا کروں گا، پھر اس سے فارغ ہونے سے پہلے دوسرا دھندا شروع ہوجاتا، اسی طرح ساری عمر گزر گئی اور ذکر کرنے کے لیے فرصت نہیں ملی، جب میں مرا اور منکر نکیر آئے اور انہوں نے عمل پوچھا تو اللہ تبارک وتعالی کا حکم آیا کہ اس بیچارے کو چھوڑ دو، یہ تو ہمیشہ ارادہ کرتا تھا کہ فارغ ہوجاؤں تو اللہ اللہ کیا کروں گا؛ لیکن اس کو فرصت ہی نہیں ملی، چنانچہ مجھے چھوڑ دیا گیا، پھر کہنے لگے نجات تو ہوگئی؛ لیکن خوشی نہیں ہوئی کیونکہ جب میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالی کا ذکر کرنے والوں کو انعامات دیئے جارہے ہیں، تو مجھے بڑی حسرت ہوتی ہے، فرمایا کہ ذکر چھوڑنے کی یہ حسرت ہوگی۔

شہزادہ کو مارنے کی وجہ سے بادشاہ خوش ہوگیا:

حضرت نے فرمایا کہ مولانا روشن الدین صاحب بہاولنگری مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں تعلیم حاصل کرتے تھے، وہ بیان کرتے تھے کہ وہاں ایک تحصیلدار تھے، ان کے خاندان میں کئی پشت اوپر ایک عالم تھے، جو شاہجہاں بادشاہ کے کسی لڑکے کے استاذ تھے، بادشاہ نے اپنے وزیر آعظم سعداللہ خان سے کہا تھا کہ شہزادہ کے لیے کوئی لائق اتالیق تجویز کیا جائے، نواب سعداللہ خان نے عرض کیا، لائق اتالیق ہے تو سہی، مگر وہ یہاں آئے گا نہیں، چونکہ حدود سلطنت میں رہتے ہیں، تو وہ بھی حضور ہی کی جگہ ہے، شہزادہ وہیں بھیج دیا جایا کرے، جب مولانا سے کہا گیا تو انہوں نے بھی وہاں شاہی دربار میں جانے سے انکار کردیا، آخرکار شہزادہ انہی کے پاس آیا کرتا، اور روزانہ بادشاہ کی خدمت میں شہزادے کے حالات بھی روزنامچے کی شکل میں پہنچائے جاتے، ایک روز مولانا صاحب نے شہزادہ کو سبق یاد نہ کرنے کی وجہ سے منھ پر تھپڑ مارا، شاہجہاں بادشاہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اتنے خوش ہوئے کہ ان عالم صاحب کو ایک جاگیر انعام میں دیدی۔

دعوتِ دین

شرک کرنے والوں کی حماقت

حضرت مولانا خرم علی صاحب بلہوریؒ، بارہ بنکی (یوپی)

قال اللّٰہ تعالی: ”وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَایَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَھُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَایَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ“۔(سورہ نحل)

حق تعالی فرماتا ہے اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور خود آپ پیدا کئے جاتے ہیں، مردے ہیں جن میں جی نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ کب قبروں سے اٹھائے جاویں گے۔

فائدہ: اس مقام میں حق تعالی مشرکوں کی حماقت اور نادانی کو بیان کرتا ہے، یعنی مدد مانگنے اور پکارنے کے لائق تو وہ شخص ہے کہ جس نے کچھ پیدا کیا ہو اور زندہ بھی ہو، مشرک ایسے احمق ہیں کہ ان کو پکارتے ہیں جو مردے ہیں، جن میں جی نہیں، اسی طرح ہمارے زمانے کے جاہل مسلمان مرے ہوئے بزرگوں سے حاجتیں مانگتے ہیں، اور نہیں سمجھتے کہ وہ خود اپنے جینے مرنے میں کسی اور کے محتاج تھے وہ دوسرے کی کیا مدد کریں گے، مثل ہے:

”پیر آپ ہی کو در ماندہ شفاعت“

کیونکہ بعضے جاہل جو آپ کو قابل سمجھتے ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر کے وقت میں عرب کے کافر بت پوجتے تھے اور ان سے مدد چاہتے تھے، سواللہ نے قرآن شریف میں بتوں کی مدد مانگنے سے منع فرمایا ہے، اور کچھ انبیاء اولیاء کی مدد مانگنے سے نہیں منع کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالی نے جہاں شرک سے منع کیا ہے، لفظ ”من دون اللہ“ کی فرمائی ہے یعنی اللہ کے سوا کسی سے مدد نہ مانگو اور کسی کو نہ پوجو، پس اس میں تو سبھی آ گئے، بت بھی، انبیاء اور اولیاء بھی اور یہ کسی آیت میں نہیں فرمایا ہے کہ تم اپنی حاجتیں بتوں سے تو نہ مانگو لیکن میرے پیر پیغمبروں سے مانگو بلکہ اپنی ذات پاک کے سوا کوئی ہو سب سے منع فرمایا ہے اور مدد تو اس سے مانگئے جس کو کچھ اختیار بھی ہو اور حق تعالی تو صاف پہلی آیت میں فرما چکا ہے کہ پیغمبر تک کو اپنی جان کا کچھ اختیار نہیں، مدار سالار بیچاروں کو کون پوچھے، اللہ کے روبرو عاجز ہونے اور بے اختیار ہونے میں ولی اور پیغمبر سب برابر ہیں، لیکن مرتبہ میں بڑا فرق ہے، وہ بندہ مقبول، ہم گنہگار وہ ہمارے نبی سردار اور ہم ان کی امت فرمانبردار اور جس طرح ادنی سپاہی اور رسالدار بادشاہ کے نوکر ہونے میں دونوں برابر ہیں، مگر مرتبہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

قال اللّٰہ تعالی ”اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَھَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا“۔(سورہ کہف)

کیا سمجھتے ہیں منکر کہ ٹھہراویں میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی ہم نے رکھی ہے دوزخ منکروں کی مہمانی۔

فائدہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کافر دو قسم کے تھے، بہت سے ان میں بتوں کو پوجتے تھے اور بعضے کافر پیغمبروں کی روح کو جیسے حضرت عیسی اور حضرت عزیز علیہما السلام کی روح کو پوجتے تھے اور ان سے مرادیں مانگتے تھے، سواللہ نے دونوں کو کافر کہا اور اس آیت میں ان کو غصے سے فرمایا کہ یہ لوگ بڑے احمق ہیں کہ میرے بندوں کو میرے سوا اپنا حمایتی ٹھہراتے ہیں یعنی پیغمبر اور اولیاء ہر چند کہ وہ پاک لوگ ہیں لیکن آخر میرے غلام اور میرے بندے ہیں، میرے ہوتے ان کی حماقت چاہنا کب لائق ہے، بھلا دھیان تو کرو میاں کے ہوتے ہوئے میاں کی چیز کو اس کے غلام سے مانگنا کیسی بڑی نادانی ہے لیکن جاننا چاہئے کہ انبیاء و اولیاء کو ایک طرح وسیلہ پکڑنا درست ہے وہ

یہ کہ خدا کی جناب میں یوں عرض کریں کہ الٰہی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے یا علی مرتضیٰ کے تصدق سے میری فلانی حاجت روا کر، سو اس طرح سے کرنا درست، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"یٰاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ، ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ"۔(سورۂ حج)

اے لوگو! ایک مثال کہی جاتی ہے اس کو سنو جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی، اگرچہ سارے جمع ہوں اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی تو نہ چھڑا سکیں گے، اس سے دونوں کمزور ہیں، مانگنے والا بھی اور جس سے مانگا لوگوں نے، اللہ کی قدر نہیں سمجھی جیسی اس کی قدر ہے، بیشک اللہ زورآور ہے زبردست ہے۔

فائدہ: یعنی جو لوگ اللہ کے سوا بتوں سے یا پیروں سے مرادیں مانگتے ہیں، افسوس ہے کہ وہ اللہ کی قدر جیسی چاہئے ویسی نہیں سمجھتے، اگر سمجھتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے زبردست جہاں کے پیدا کرنے والے ہوتے، بیچارے بے مقدوروں سے کہ جن سے ایک مکھی تک نہیں بن سکتی ہے، کیونکہ حاجتیں مانگتے، خاک پڑے اس کی بوجھ پر جو بادشاہ کے روبرو فقیر سے بھیک مانگے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:" وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُرَکَآءَ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ"۔(سورۂ یونس)

اور جو پیچھے پڑے ہیں شریک پکارنے والے اللہ کے سوا کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

فائدہ: یعنی جو لوگ اللہ کے سوا ان کو مدد کے واسطہ پکارتے ہیں بالکل عقل سے خالی ہیں، بت پوجنے والے یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ تو بت پتھر ہیں ہم جو ان کے آگے گاتے بجاتے ہیں، حاجتیں طلب کرتے ہیں یہ کیونکر سنیں گے، خود آپ تو جگہ سے ہل نہیں سکتے ہماری کیا مدد کریں گے، اسی طرح جاہل مسلمانوں کو خبط ہوگیا ہے کہ بزرگوں کی قبریں پوجنے لگے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء، اولیاء خدا کے کارخانے کے مختار ہیں، جس کو جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ وہ بندے خود آپ ہر چیز میں اللہ کے محتاج ہیں وہ کہاں سے مختار ہوگئے اور اسی طور پر بعضے مرد اور عورت نے جن پری اپنے خیال سے تراشے ہیں، نام رکھا ہے، دریا پری، شاہ پری، آسمان پری، کوئی ان احمقوں سے پوچھے کہ تم نے کیا ان کو آنکھ سے دیکھا ہے، یا خدا اور رسول نے تم کو بتلایا ہے، تم ان کو کہاں سے سمجھے جو ان کو پوجنے لگے، یہاں سے کوئی وجود جنوں کا انکار نہ سمجھے کیونکہ وجود جن کا تو قرآن شریف سے ثابت ہے، لیکن شاہ پری، آسمان پری اپنی طرف سے جو نام ٹھہرا لئے ہیں اور ان کی منت مانتے ہیں اس میں گفتگو ہے اور اسی طرح سے ہندو اور جاہل مسلمانوں کی عورتیں اور بعضے جاہل مسلمان جورو کے غلام چیچک کے مرض میں خود بھی بت پوجتے ہیں اور مالن کو بھی بلاتے ہیں اور اگر ایسا ہوا کرتا کہ مسلمانوں کے لڑکے چیچک میں مر جایا کرتے اور ہندوؤں کے جیتے رہتے تو شاید کوئی مسلمان لڑکے کا والا بت پوجنے سے باقی نہ رہتا، یہ نہیں سمجھے کہ جیسے گرمی کی بیماریاں اور ہیں ویسے چیچک کی بھی ہے، غرضیکہ سچ فرمایا ہے اللہ نے جو لوگ شرک کرتے ہیں بڑے گدھے ہوتے ہیں، صرف اپنے وہم اور خیال پر چلتے ہیں، نہ ان کے پاس دلیل نہ کوئی سند فی الحقیقۃ اگر احمق نہ ہوتے تو اللہ جیسے مالک کو چھوڑ کر کیوں ادھر ادھر بھٹکتے:"قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَھُمْ شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَا اَوْ اَثٰرَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ"۔(سورۂ احقاف)

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مشرکوں سے کہو بھلا دیکھو تو جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا دکھاؤ تو مجھ کو انہوں نے پیدا کیا ہے زمین میں یا ان کا کچھ ساجھا ہے آسمانوں میں، لاؤ میرے پاس کوئی اس قرآن سے پہلے کی کتاب یا کوئی علم چلا آتا اگر تم سچے ہو۔

رھنمائے طلبہ

طلبہ تحریک کے مقاصد اور اہم وسائل

انجینئر مصطفیٰ محمد طحان...ترجمہ: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکل، کرناٹک

طالب علم کی تیاری:

(۱) طالب علم کو اعتقادی، فکری، جسمانی، روحانی اور علمی طور پر تیار کرنا جس سے وہ امت کا بوجھ اٹھانے اور اس کو ایک مناسب معیار تک ترقی دینے کی صلاحیت کا مالک بن جائے۔

(۲) طالب عالم کے ساتھ ساتھ طالبہ کو بھی معاشرے کا ایک بنیادی رکن ہونے کی وجہ سے تیار کرنا، کیونکہ عورتیں مردوں ہی کی طرح مسئول اور ذمہ دار ہیں۔

(۳) اختصاصی جماعتوں، پارٹیوں اور سیاسی قیادتوں کی تیاری، جس سے امت کی ترقی اور اس کے معیار کو بلند کرنے میں تعاون ملے۔

(۴) نوجوانوں کی صلاحیتوں کا استعمال، ان کی صلاحیتوں کا انکشاف اور ان کو ترقی دینا۔

(۵) ممتاز نوجوانوں پر توجہ، برتری حاصل کرنے والے اور اختراعی صلاحیت رکھنے والے نوجوانوں کی ہمت افزائی۔

طلبہ کے مسائل کا حل اور ان کا تعاون:

طلبہ کے مسائل میں دلچسپی لینا اور ان کے حقوق کا دفاع کرنا۔

طلبہ برادری پر مادی، علمی، معاشرتی، فکری اور جسمانی اعتبار سے توجہ دینا۔

تعلیمی اداروں پر توجہ:

سرکاری، خانگی اور غیر ملکی یونیورسٹیوں کے حالات کی اصلاح کرنا، جس سے وہ معاشرے میں تعمیر کا وسیلہ بن جائیں، نہ کہ تخریب کا۔

مدرس کے ساتھ گھل مل جانا، اس کی قدر کرنا، اس سے استفادہ کرنا، اس کے سامنے خیر خواہی کا اظہار کرنا اور علمی، تعلیمی اور تربیتی ذمہ داری کو ادا کرنے میں اس کی مدد کرنا۔

نصاب تعلیم پر توجہ دینا اور منفی افکار سے اس کو پاک کرنا۔

یونیورسٹی لیول کی کتابوں کی اصلاح، ان کی فراہمی اور ان پر توجہ۔

اعلیٰ تعلیم پر توجہ دینا اور علمی تحقیقات کی ہمت افزائی کرنا۔

وزارت تعلیم و تربیت، یونیورسٹیوں کے ذمہ داران، تدریسی عملہ اور معلّمین کی تنظیموں کے ساتھ تعاون کرنا۔

امت کے تشخص کی حفاظت اور مسائل کا دفاع:

حب الوطنی کے جذبات کو فروغ دینا اور امت سے اپنی نسبت قائم کرنا

امت کے دین، اس کی زبان، وراثت اور اقدار کا تحفظ۔

امت کے مسائل سے وابستگی اور ہم آہنگی، فکری، اقتصادی اور عسکری حملوں کا مقابلہ۔

بلند اقدار کو پھیلانا، فتنہ وفساد کا مقابلہ اور ان چیزوں پر توجہ دینے والے اداروں کے ساتھ تعاون کرنا۔

صحیح افکار و نظریات کو متحد کرنے کی کوشش کرنا، جمہوری اور شورائی قدروں کو مضبوط کرنا اور آزادی کی حفاظت کرنا۔

طلبہ تحریکات کے درمیان برادرانہ روابط اور تعلقات میں پختگی لانا، دنیا میں پائے جانے والے منصفانہ مسائل اور امن وسلامتی کا تعاون کرنا۔

طلبہ تحریک تمام ممکنہ قانونی وسائل کو اختیار کرتی ہے، جن سے اس کے مقاصد پورے ہوتے ہیں:

طالب علم کی تیاری اور ٹریننگ:

طالب علم اپنی تہذیب، علوم اور تربیت کو مندرجہ ذیل چیزوں سے

مکمل کرتا ہے:

عالم دروس اور محاضرات۔

علمی اور تربیتی حلقے۔

کتاب، محاضرہ، نشریات، تربیتی کورس، سفر، کیمپ، ڈرامہ اور ورزش کے ذریعہ احساس وشعور کی بیداری اور اشاعت۔

طلبہ، طالبات، اساتذہ اور دوسرے اسٹاف کی مشترکہ ٹریننگ کی کوشش، معاشرے کی ترقی افراد کی فکر اور وسیع پیمانے پر ان کی تربیت سے ہوتی ہے۔

بامقصد کتابوں کی نشر واشاعت، جن سے اعتقادی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور علمی پہلوؤں میں صحیح فکر ڈھالی جاسکے اور ان کے حصول کو عام طلبہ کے لئے آسان بنایا جائے۔

علمی مجالس اور محاضرات کا اہتمام کرنا، جن میں طلبہ اور امت کے منصفانہ مسائل پیش کئے جائیں۔

طلبہ برداری:

طلبہ برادری یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے تمام طلبہ، تدریسی عملہ اور اس میدان میں کام کرنے والے اور اس پر توجہ دینے والے تمام افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔

مادی:

مفت تعلیم کی سہولت فراہم کرنا۔

علمی اعتبار سے ممتاز طلبہ پر توجہ۔

درسی کتابوں کی فراہمی۔

طلبہ اور طالبات کو ہاسٹل کی فراہمی۔

طلبہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے اسلامی اوقاف کا قیام۔

علمی:

علمی اور اختصاصی مضامین کی بنیاد پر تعلقات استوار کرنا جس سے علمی معیار بلند ہو۔

علمی مجلّات اور رسائل جن کی تحریر میں طلبہ ماہر اساتذہ کی نگرانی میں حصہ لیں۔

تمام میدانوں میں معاشرے کی علمی ضرورتوں سے اعلیٰ تعلیم کا تعلق پیدا کرنا۔

عام لائبریریوں کا قیام، جن سے طالب علم کو بحث وتحقیق اور معلومات کی فراہمی میں مدد مل سکے۔

معاشرتی:

کالجز اور یونیورسٹیوں کی سطح پر طلبہ تنظیموں اور انجمنوں کی تشکیل، جو یونیورسٹی میں اور اس سے باہر طلبہ کی نمائندگی کرے اور یونیورسٹی کی انتظامیہ کے سامنے ان کے مفادات کا دفاع کرے۔

یہ انجمنیں اداروں کے طویل سلسلے کی ایک کڑی ہے، جو سلسلہ طلبہ سے شروع ہوکر وظیفہ یاب جماعتوں سے گزرتے ہوئے حکومت اور پارلیمنٹ کے اداروں پر ختم ہوتا ہے، یہ معاشرے کی خدمت کے لئے تحریک کی ابتداء ہے۔

آفاقیت:

ملک کے مختلف علاقوں اور دوسرے ممالک کے طلبہ وطالبات پر مشتمل یونیورسٹیاں رنگ، زبان، نسل یا دین پر قائم تعصّبات کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور دنیا کے کسی بھی علاقے میں پائے جانے والے انسانی حقوق کے سلسلہ میں ایک دوسرے کی مدد کرسکتی ہیں، یہ کام صرف تحریک کے لئے ضروری ہے کہ طلبہ کی غیر ملکی انجمنوں کے ساتھ بھی تعلقات ہوں، تاکہ عالمگیریت اور آفاقیت کے معنی کی تکمیل ہو۔

عام پالیسیوں کی تیاری، جن سے انسانی حقوق، قوموں کے درمیان مفاہمت اور باہم تبادلہ خیال اور اپنے حقوق حاصل کرنے میں اقلیات کا تعاون ہوتا ہو۔

دنیا کے ہر گوشے میں انسانیت کے ہر کام کو مادی تعاون فراہم کرنا۔

طلبہ کی عالمی تنظیموں کا قیام، ان میں شرکت اور ان کو فعال بنانا۔

مدرس:

مدرس کی علمی، تحقیقی، تربیتی اور انتظامی بہت ساری ذمہ داریاں ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ باصلاحیت اور اہل مدرسین کے انتخاب کا اہتمام کیا جائے۔

تدریسی پیشے سے منسلک ہونے کے لئے ممتاز طلبہ کی ہمت افزائی کی جائے۔

طالب علم اور مدرس کے درمیان مؤدت ومحبت کو پائیدار بنانے کی کوشش کی جائے، یہی تعلق طالب علم کے فائدہ اٹھانے اور مدرس کی صلاحیتوں کے نکھرنے کی بنیاد ہے۔

تدریسی عملہ کی ایسوسی ایشن، طلبہ تنظیمیں، یونیورسٹی کیمپس یا علمی مجالس مدرسین کے ساتھ طلبہ کے تعلقات کی استواری کی مناسب جگہیں ہیں۔

یونیورسٹی کتابوں کا تعاون:

یونیورسٹی کتابوں کی تیاری کی کوشش جو اپنے مضمون کے اعتبار سے طاقت وراور امت کے قدروں کے ساتھ ہم آہنگ ہوں اور ان سے اصلاحی میدانوں میں یونیورسٹی کے مقاصد کی تکمیل بھی ہو۔

خالص علمی کتابوں کا مسئلہ نسبتاً کم دشوار ہوتا ہے لیکن انسانی علوم اور فنون کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے، جس کا تعلق شخصیت، اس کی نفسیات اور اس کے عقل واعتقاد کے ساتھ ہوتا ہے۔

خالص اختصاص علمی سیمینار منعقد کرنے کا اہتمام کرنا، جن سے مطلوبہ تحقیقاتی کاموں کی تکمیل میں مدد ملتی ہے۔

یونیورسٹی کی ترقی:

یونیورسٹی کے مدرسین، پروگراموں اور کتابوں کو ترقی دینے کی کوشش کرنا، جس سے یونیورسٹیاں امت کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

دوسرے وسائل:

ان کے علاوہ بہت سے دوسرے وسائل بھی ہیں جن کی طالب علم کو اپنی تعلیم کے دوران ضرورت پڑتی ہے، جو وسائل اس کے سوچنے کے انداز، اخلاق کی درستگی اور اس کی صلاحیتوں کو ترقی دینے میں مدد کرتے ہیں، ان میں سے بعض وسائل یہاں بیان کئے جا رہے ہیں۔

طلبہ کے سیمینار:

سیمینار طلبہ تحریک کے اہم وسائل میں سے ہے، اس کے ذریعہ طلبہ تحریک کے منصوبوں پر نظر ثانی کی جاتی ہے، اس کی حکمت عملی متعین کی جاتی ہے اور دوسروں سے تعلقات استوار کئے جاتے ہیں۔

طلبہ کے سیمینار دوسرے سیمیناروں کے مقابلے میں مندرجہ ذیل سرگرمیوں کی وجہ سے ممتاز رہتے ہیں:

۱- طلبہ اور طلبہ کے میدان میں کام کرنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کے مواقع فراہم ہوتے ہیں، چاہے وہ مختلف کالجز یا یونیورسٹیوں کے طلبہ ہوں یا مختلف ملکوں اور علاقوں کے ہوں، تاکہ تجربات کا تبادلہ، تعلقات کی استواری اور اس میں پائیداری ہو۔

۲- سیمینار میں طلبہ تحریک کے ذمے دار علاقائی، ملکی اور عالمی کاموں کی تفصیلات کے ساتھ جمع ہوتے ہیں اور اس میں شریک افراد کے افکار و خیالات اور مشوروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

۳- سیمینار طلبہ کے میدان میں کام کرنے والوں کے افکار ونظریات میں یکسانیت پیدا کرنے والے اہم وسائل میں سے ہے۔

۴- اس دوران طلبہ تحریک کی عام حکمت عملی مرتب کی جاتی ہے اور نئے وجود میں آنیوالے نئے امور کی روشنی میں ان پر نظر ثانی کیجاتی ہے۔

۵- طلبہ کے مسائل کے سلسلے میں تبادلہ خیال کئے جاتے ہیں اور ان کی مشکلات کو حل کیا جاتا ہے۔

سیمینار کی قسمیں:

مقامی سیمینار، اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

کسی ادارے یا طلبہ کی کسی خاص انجمن کا سیمینار، اس کی تیاری میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے:

۱- کالجز اور یونیورسٹیوں کی انتظامیہ اور تدریسی عملے کو شریک ہونے کی دعوت دینا۔

۲- دوسرے اداروں کو شرکت کی دعوت دینا۔

۳- ملک کے تعلیمی ذمے داروں کو مدعو کرنا۔

۴- تیار کردہ منصوبوں کی روشنی میں عمومی رول یا افراد کے خصوصی رول کے اعتبار سے سابقہ تجربات کے تجزیے کا موقع فراہم کرنا۔

۵- آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنا اور اہم امور کی از سر نو تعیین کرنا۔

۶- انتظامی کمیٹی میں ہر بار نئے طلبہ کو موقع دینا۔

دوسری قسم:

عام سیمینار جس میں طلبہ اور نوجوانوں کی تنظیموں اور اداروں میں کام کرنے والوں کو جمع کیا جاتا ہے، اس میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱- سیمینار کی سرگرمیوں میں شریک ہونے کی ہر تنظیم کو دعوت دینا۔

۲- سیمینار کی نگرانی کے لئے انتظامی کمیٹی تشکیل دینا، جس میں تمام تنظیموں اور اداروں کی نمائندگی ہو۔

۳- ملک کے سرکاری اداروں کو شرکت کی دعوت دینا۔

۴- پرچوں، مجلّات اور خبر رساں ایجنسیوں کو سیمینار کی رپورٹنگ کے لئے مدعو کرنا اور اس کی سرگرمیوں پر مشتمل یومیہ خبرنامہ جاری کرنا۔

۵- نوجوانوں اور طلبہ تحریک پر توجہ دینے والے افراد اور مفکرین کو محاضرات دینے اور علمی مجالس منعقد کرنے کی دعوت دینا۔

۶- متفقہ رائے سے سیمینار کے لئے مشترک مسئلہ اور موضوع کا انتخاب کرنا۔

۷- ہر تنظیم اور ادارے کو اپنے خیالات اور مسائل پیش کرنے کا موقع فراہم کرنا۔

۸- مختلف مسائل پر غور وخوض کرنے اور سیمیناروں کی تجویز کی تیاری کے لئے ذیلی کمیٹیوں کی تشکیل کا اہتمام کرنا۔

۹- اتفاقی نکات پر توجہ دینا، تاکہ سیمینار تفرقہ اور اختلافات کا اکھاڑا نہ بن جائے۔

۱۰- سرکاری اداروں کے سامنے ان تنظیموں کی نمائندگی کے لئے شریک تنظیموں کی نمائندگی کمیٹی تشکیل دینا، تاکہ طلبہ کے حقوق اور مسائل پر توجہ دی جا سکے۔

عالمی سیمینار:

ان سیمیناروں میں عالمی سطح پر طلبہ تنظیموں کو شامل کیا جاتا ہے، اس کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

۱- طلبہ کے تحریک کو آفاقی بنانا۔

۲- طلبہ کے تجربات کا تبادلہ۔

۳- ہر جگہ کے طلبہ کے مسائل کو پیش کرنا اور ان کا دفاع کرنا۔

۴- نوجوانوں کے بگاڑ، میدان عمل سے گریز اور اپنی قوم کے مسائل سے بے توجہی پیدا کرنے والے عالمی حملوں کا مقابلہ۔

مندرجہ ذیل طریقوں سے ان سیمیناروں کی صحیح اور بہترین تیاری کرنا ضروری ہے:

طلبہ کی صحیح نمائندگی کرنے والی تنظیموں کو مدعو کرنا۔

عالمی ترجیحی مسائل کو پیش کرنا۔

سیمینار کے عام موضوع پر مشتمل مستقبل میں فائدہ پہنچانے والے موضوع کا انتخاب کرنا۔

محاضرات دینے کے لئے اصحاب الرائے اور مفکرین کو مدعو کرنا۔

عالمی خبر رساں ایجنسیوں کو رپورٹنگ کے لئے مدعو کرنا اور سیمینار کی خبریں منظّم شکل میں ان کی خدمت میں ارسال کرنا۔

طلبہ تحریک کے عالمی مسائل پر توجہ دینا، مثلاً نسلی انتشار، انسانی حقوق کی پامالی، گرفتاریاں اور نظر بندی، سیاسی دباؤ، جماعتوں کی تشکیل میں طلبہ کی آزادی اور خود مختاری کو سلب کرنا جیسے امور سے طلبہ تحریک کی حفاظت کرنا اور اس سلسلے میں تعاون کی دعوت دینا۔

امت کے حالات سدھارنے میں نوجوانوں کے کردار پر توجہ۔

شر وفساد اور بربادی وتباہی لانے والی ان طاقتوں سے طلبہ کو چوکنا رکھنا، جس کا ہدف طلبہ ہی ہوتے ہیں۔

بامقصد عالمی طلبہ تحریک کی کوششوں میں تسلسل اور یکسانیت کی

دعوت دینا۔

سیمیناروں کی تیاری اورانتظام:

طلبہ تحریک کے میدان میں کام کرنے والے افراد طلبہ کے سیمینار کی تیاری، انتظام، نفاذ اوراس کے بعد تجزیہ پرزیادہ توجہ دیتے ہیں، اس میدان میں مندرجہ ذیل امور پرزیادہ توجہ دیناضروری ہے:

پہلی فرصت میں سیمینار کی تیاری اس طرح شروع کرنا کہ سرگرمیوں کی مکمل طور پرانجام دہی کے لئے کافی وقت ہو۔

سیمینار کے لئے مختلف ذیلی کمیٹیوں کی تشکیل:

استقبالیہ کمیٹی جو تیاری اور انتظام کی نگرانی کرے، مثلاً پروگرام، مہمانوں کااستقبال، تشہیروغیرہ، خبررسانی کی کمیٹی، اختتامی بیان تیارکرنے والی کمیٹی، ذمےداروں کےساتھ ملاقات کرنے والی کمیٹی وغیرہ۔

پہلی فرصت میں مدعوین، مہمانوں اور محاضرہ دینے والوں کی خدمت میں دعوت نامے ارسال کرنااوران سے شرکت کی توثیق کرانا۔

مختلف رجحانات کے حامل افرادکوشریک کرنے اورتمام تنظیموں کو نمائندگی دینے کی کوشش کرنا۔

میڈیا کے تمام وسائل سے رابطہ اور بیانات جاری اورنشر کرکے سیمینار سے بہت پہلے اوراس کے دوران بھی نشریاتی مہم پرتوجہ دینا۔

ہنگامی حالات کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل اورضرورت کے وقت مداخلت کے لئے مناسب متبادل کی تیاری۔

پروگرام کے متعینہ اوقات کی پابندی۔

مہمانوں اور مدعوین کا استقبال اوران کی راحت کے لئے تمام وسائل کی فراہمی کی کوشش۔

سیمینار میں مقاصد کی طرف پیش رفت کی کوشش کے ساتھ ساتھ آزادی، شوریٰ اورجمہوریت کی روح کوبھی ملحوظ رکھاجائے۔

سیمینار میں آرام وراحت اورتفریح کے لئے الگ وقت متعین کیا جائے اورشہر کے سیاحتی علاقوں اورآثارقدیمہ کی زیارت کے پروگرام بھی شامل کیئے جائیں۔

طلبہ تحریک کے میدان میں کام کرنے والوں کومہمانوں کے ساتھ ملاقات کرنے، ان سے متعارف ہونے اور ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی تاکید کرنا۔

طالبات کوشریک کرنے کا اہتمام کرنااور پوری سرگرمی کے ساتھ سیمینار کے تمام پروگراموں میں ان کوشرکت کا موقع فراہم کرنا۔

افتتاحی اوراختتامی جلسوں کا اہتمام کرنا اوران کواچھے انداز میں پیش کرنا، کیونکہ یہی دونوں سیمینار کی جان ہوتے ہیں۔

تجزیے کے میدان میں مہیا تمام سہولتوں کے ذریعے تمام افراد کی موجودگی میں پوری سرگرمی کے ساتھ سیمینار کا تجزیہ کرنا۔

سیمینار میں منظور شدہ تجاویز اورخبریں طلبہ کی ان جماعتوں اور اداروں کی خدمت میں ارسال کرنا جواجلاس میں شریک نہ ہوسکی ہوں، کیونکہ یہ تعلقات کااہم ذریعہ ہے۔

رحمت خداوندی کا نزول

اللہ کی رحمت کانزول اسی وقت ہوتا ہے جب کہ ملت کے ہرفرد میں ذمہ داریوں کااحساس، حالات کوسمجھنےاوراس کے مطابق جذبہ وشعور کے ساتھ کام کرنے کی صلاحیت اوردل سوزی وفکر مندی کا مظاہرہ ہو، جوکچھ ہورہا ہے اوراب واقعات کے طور پر جوکچھ پیش آرہا ہے، اس کا دھارا اس قدر تیز اورمشینری اس قدر چابک دست ہے کہ صاف نظر آرہاہے، کہ اگراجتماعی طور پرملت اسلامیہ نے اس پرسنجیدگی اور دردمندی سے غورنہیں کیا تومستقبل میں اس کا جوخمیارہ بھگتنا ہوگا، اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اصل مسئلہ یہ ہے کہ آنیوالے دنوں میں اس ملت کا اوراسکی نوجوان نسل کاتعلق اسلام اوراس کے بنیادی دینی عقائد سے باقی رہےگایانہیں؟۔

اس ملت کے لیے یہ بات مخصوص کی گئی ہے کہ جب تک اپنی طرف سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کام کا مظاہرہ نہیں ہوگا اس وقت تک اللہ کی رحمت نہیں آئے گی اور جب اللہ کی رضا کی خاطر کام کا مظاہرہ ہوگا توان کام کرنیوالوں میں ایک غیرمرئی طاقت کااضافہ کردیاجائے گا"یزدکم قوۃ الی قوتکم"۔(سورۂ ہودآیت ۵۲)

(حضرت مولاناسیدابوالحسن علی حسنی ندوی)

حکمتِ خداوندی

زمین وآسمان کو چھ دن میں بنانے کی حکمت

محمد مسعود عزیزی ندوی

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو ۱۱/مارچ ۲۰۱۱ء جمعہ کے روز مرکز کی جامع مسجد میں نمازیوں کے سامنے ہوا، اس کی افادیت کے پیش نظر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

انسان جلدباز ھے:

اس دنیا کے اندر انسان کسی بھی کام کو کرتا ہے، خواہ وہ اپنا دینی کام ہو یا دنیوی کام ہو، وہ بہت جلد اس کے نتیجہ کا منتظر رہتا ہے، اس کے رزلٹ کا اور اس کے فوائد کا انتظار کرتا ہے، یہ انسان کی ایک طبیعت ہے، کیونکہ انسان کو قرآن میں ''عجولاً'' بتایا گیا ہے ''وَكَانَ الإِنْسَانُ عَجُولاً'' انسان بہت جلد باز ہے، اس کی طبیعت میں جلد بازی ہے، لیکن اللہ تعالی نے قرآن کریم کے اندر آسمان وزمین کی تخلیق کو اور کائنات کے بنانے کو بتدریج، آہستہ آہستہ اور کچھ وقت کے ساتھ مکمل کرنے کو بیان فرمایا، ورنہ تو اللہ تبارک وتعالی کن کہتا ہے تو ''فیکون'' وہ چیز ہوجاتی ہے، اللہ حدود کا پابند نہیں ہے، اللہ قیود کا پابند نہیں، اللہ انتظار کا پابند نہیں، بس اس نے ''کن'' کہا ''فیکون'' تو وہ ہوجاتا ہے ''وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِّالْبَصَرِ'' اللہ تعالی قرآن میں اس حقیقت کا اظہار کررہے ہیں، کہ ہم کسی چیز کو کرنا چاہتے ہیں، تو وہ پلک جھپکنے میں ہوجاتی ہے، لمحہ کے اندر ہوجاتی ہے، سیکنڈ کے اندر ہوجاتی ہے۔

اللہ نے زمین وآسمان چھ دن میں بنائے:

لیکن چونکہ اللہ تبارک وتعالی کو انسانوں کو تعلیم دینی تھی، اس لئے انسانوں کی طبیعت کو دیکھ کر قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ''إِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ'' کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا چھ دنوں کے اندر، اگر چاہتا تو ایک دن میں بنادیتا، لیکن اللہ نے اس کائنات کو، زمین وآسمان کو چھ دن کے اندر پیدا فرمایا، دو دن کے اندر زمین کو بنایا ''خَلَقَ الْأَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ'' جس زمین پر ہم رہتے ہیں، جس زمین پر ہمارے مکانات ہیں، جس زمین پر ہماری ضروریات کی سب چیزیں ہیں، اور جس زمین سے ہمیں شب وروز چوبیس گھنٹہ واسطہ پڑتا ہے، جس زمین سے ہمیں غذائیں حاصل ہوتی ہیں اور جس زمین سے ہمیں زندگی کے تمام وسائل مہیا ہوتے ہیں، اس زمین کو اللہ تبارک وتعالی نے دو دن کے اندر پیدا فرمایا ''وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَفِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ'' اور اسی نے زمین کے اوپر سے پہاڑ رکھ دیئے اور اس کے اندر برکتیں رکھی ہیں اور زمین میں زمین والوں کی کھانے کی چیزیں مقدار معین کے ساتھ رکھ دیں، چار دن میں۔

مطلب یہ ہے کہ پھر اللہ تبارک وتعالی نے دو دن میں دریا، پہاڑ، معدنیات اور تمام چیزیں پیدا فرمائیں اور پھر دو دن کے اندر اللہ نے آسمانوں کو پیدا کیا، چونکہ پہلے دو دن تو اتوار اور پیر ہوگئے، جن کے اندر زمین کو پیدا فرمایا اور پھر منگل اور بدھ کے اندر دوسری تمام چیزیں پہاڑ، دریا یہ سب پیدا فرمائے اور ''فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ'' پھر ساتوں آسمانوں کو دو دن کے اندر پیدا فرمایا، اور وہ کیا دن ہیں وہ جمعرات اور جمعہ ہیں، بچتا ہے ''یوم السبت'' سنیچر کا دن، اس کے معنی انقطاع کے آتے ہیں، فراغت کے آتے ہیں، تو چھ دنوں کے اندر اللہ تبارک وتعالی نے ان تمام چیزوں کو پیدا فرمایا جن کا تعلق کائنات سے ہے ''ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ'' پھر اللہ تبارک وتعالی عرش پر مستوی ہوگیا، اللہ تبارک وتعالی عرش پر قائم ہوگیا۔

انسان کی تخلیق کے سلسلہ میں اللہ کی ترتیب:

دراصل یہاں بتلانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو بتلایا ہے کہ دیکھئے ہمارے اندر طاقت تو یہ ہے، ہماری صلاحیت تو یہ ہے، کہ ہمارا جو معاملہ ہے وہ ایک لمحہ کے اندر ایک پلک جھپکنے کے اندر وجود میں آتا ہے، لیکن پھر بھی ہم نے انسان کو بتدریج آہستہ آہستہ کسی کام کو کرنا سکھایا ہے، تاکہ وہ اطمینان سے کر سکے، سوچ سمجھ کے اور پورے غور وفکر اور تدبر کے ساتھ کر سکے اور اس طرح اس کا مزاج بنے، اب خود انسان کی تخلیق کا اندازہ لگائیے، کیا انسان ایک دم سے پیدا ہوجاتا ہے، نہیں بلکہ نو مہینہ اس کے وجود میں آنے میں لگتے ہیں، انسان کی تخلیق کے سلسلہ میں اللہ تعالی بیان فرماتا ہے "ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا، فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ"۔

پھر ہم نے نطفہ کو جمع ہوا خون بنایا، پھر ہم نے جمے ہوئے خون کو گوشت کا ٹکڑا بنایا، پھر گوشت کے ٹکڑے سے ہم نے ہڈیاں پیدا کی، پھر ہم نے ہڈیوں کے اوپر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اس کو ایک دوسری شکل میں بنایا، پھر اللہ کتنا اچھا پیدا کرنے والا بابرکت ہے۔

ہر چیز کی ایک ترتیب ہوتی ہے:

تخلیق انسان کی مکمل ایک ترتیب ہے، یعنی اس کے کئی مراحل ہوتے ہیں، اور ہر مرحلہ چالیس دن میں پورا ہوتا ہے، اس طریقہ سے نو مہینہ کے اندر انسان کا وجود ہوتا ہے، پھر یہ پیدا ہونے کے بعد آہستہ آہستہ بڑھتا ہے، ایک دم سے بڑا نہیں ہوتا، چار پانچ سال تک تو اس کو اپنے ہونے اور نہ ہونے کا پتہ ہی نہیں چلتا، اس کو شعور ہی نہیں ہوتا، آٹھ سال کے بعد شعور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، پھر شعور کی کیفیت کے بعد سیکھنے سکھانے کا مرحلہ آتا ہے، تعلیم حاصل کرتا ہے، یا فنون سیکھتا ہے، یا کوئی صنعت سیکھتا ہے، یا کوئی کاریگری سیکھتا ہے، یہاں تک کہ بیس سال ہوجاتے ہیں بلکہ بائیس تئیس، چوبیس پچیس تک ہوجاتے ہیں، پھر شادی کا مرحلہ ہوتا ہے، پھر اولاد ہوتی ہے، پوتے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ یہ ساٹھ ستر سال کا ہوجاتا ہے۔

کسی کام میں جلدی نہیں کرنا چاہئے:

اللہ تبارک وتعالی نے انسان کی تخلیق کر کے اور خود اس کو ان مختلف مراحل سے گزار کر اس کی طبیعت کے اندر یہ بات ڈال دی کہ دیکھ! کسی بھی کام میں جلدی مت کرنا "اَلتَّأَنِّيْ مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ" جلد بازی شیطان کا کام ہے اور طمانینت، سکون اور اطمینان کے ساتھ کوئی کام کرنا یہ اللہ کی طرف سے ہے، تو اللہ نے ہم کو یہ سبق سکھلایا ہے کہ اپنی زندگی میں تمام کام اطمینان سے، آرام سے کریں جلدی بازی میں کوئی کام نہ کریں، ہم کیا کرتے ہیں؟ کچھ بھی تھوڑا سا کام کر لیتے ہیں، فوراً اس کے نتیجہ کے منتظر ہوجاتے ہیں، ایک صاحب نے دو رکعتیں نماز کی پڑھیں اور وحی کا انتظار کرنے لگا، کہ اب مجھ پر وحی آئے گی گویا کہ اب میں پیغمبر بننے والا ہوں، تو ہم لوگ تھوڑے سے اعمال کرتے ہیں اور انتظار کرنے لگتے ہیں کہ بھائی ہم کو تو نمازیں پڑھتے پڑھتے اتنے دن ہوگئے، کچھ مزہ ہی نہیں آرہا ہے، اللہ کی طرف سے بھی کچھ دھیان نہیں، گھر میں بیماری بھی ہے، کاروبار میں ترقی بھی نہیں، نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں، کبھی بھی تو کچھ نہیں کرتا، اللہ کی عبادت بھی کرتا ہوں، پھر بھی میرے کاروبار میں ترقی نہیں، یہ بات صحیح نہیں، کرتے رہئے انشاء اللہ آپ کی عمر چالیس پچاس ساٹھ ستر سال ہے، ایک نہ ایک دن آپ کی محنت کا نتیجہ آپ کو ملے گا، دیر میں ملے گا مگر ملے گا، اللہ کے یہاں جلد بازی نہیں ہے، اطمینان سے ملے گا، چاہے عبادت کرو، زراعت کرو، کاشتکاری کرو، بزنس کرو، تجارت کرو، کچھ بھی کام کرو، ایک دن نتیجہ اس کا ملتا ہے، اور انتظار کرنا پڑتا ہے، کاشتکار جب کھیت میں بیج ڈالتا ہے، تو وہ ایک دن میں تھوڑا ہی تیار ہوتا ہے، کئی مہینہ اس کو لگ جاتے ہیں، کاشتکار صبح ہی صبح روزانہ کھیت میں چکر لگاتا ہے، اور کونپلیں نکلتیں ہیں، وہ کونپلیں نکلتے ہوئے دیکھتا ہے، تو وہ خوش ہوتا ہے، پھر گھر آجاتا ہے، پھر دوسرے دن آتا ہے تھوڑی سی اور اوپر کو ہوجاتی ہے پھر مزید خوش ہوتا ہے، یہاں تک کہ روزانہ جاتا ہے اور کھیتی دیکھ کر خوش ہوتا ہے، قرآن کریم نے اس

واقعہ کو بڑی خوبصورتی سے بیان فرمایا ہے، کہ کاشتکار کیسے اپنی زمین کو دیکھتا ہے اور پھر کیسے خوش ہوتا ہے: "کَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ" اس کھیتی کی طرح جس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ سخت ہوگئی ہے، پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، جو خوش کرتی ہے کسانوں کو تا کہ اللہ ان کے ذریعہ کافروں کو غصہ دلائے۔

شکرگزاری کا مادہ پیداکرنا چاھئیے :

اگر اس کے اندر شکر گزاری کا مادہ ہوتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالی اس کو باقی رکھتے ہیں اور اگر وہ ناشکری کرتا ہے، تو کیا ہوتا ہے؟ وہ لہلہاتی کھیتی، وہ سرسبز وشاداب، ہری بھری اس کی کھیتی ایک دن ایسی ہوجاتی ہے کہ وہ ''ھباءً منثوراً'' ہوجاتی ہے اور ایسی ہوجاتی ہے کہ جیسے تھی ہی نہیں، مثلاً آندھی چلی، طوفان آیا، اولے گرے، برف پڑا، بارش زبردست ہوگئی، وہ ختم ہوجاتی ہے، اور وہ کب ہوتی ہے؟ جب ناشکری کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے ایک بچہ دیا، جو نو مہینہ میں تیار ہوا، پھر پلا، بڑھا اور پھر جوانی میں مرگیا، اس کو اللہ تبارک وتعالی نے لے لیا، اللہ تعالی ایسے کرشمہ دکھاتا رہتا ہے، اور یہ کرشمہ دکھا کر انسان کے مزاج کو، انسان کی طبیعت کو ٹٹولتا ہے اور اس کو درس دیتا ہے کہ سیکھ لے، تو انسان کے مزاج کو بنانے کی اللہ تبارک وتعالی نے ایک ترکیب اور ایک سسٹم بنایا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا: "وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" اللہ تعالی دیکھنا چاہتا ہے کہ کس کا عمل اچھا ہے، کس کا عمل مضبوط ہے، کس کا عمل مکمل ہے، اس لئے کہ جلدی میں معاملات میں غور وفکر نہیں ہوسکتا بلکہ اکثر کام میں خلل واقع ہوجاتا ہے۔

سب کچھ اللہ کے حوالے کردینا چاھئیے :

اس لیے تمام انسانوں کو اپنے کسی بھی عمل میں جلد بازی نہ کرنا چاہئے بلکہ کرتے رہنا چاہئے اور ڈرتے رہنا چاہئے، عبادات بھی کرے، اللہ سے مانگے بھی، اللہ دے گا، اور فرض کرلو اگر اللہ سے مانگنا چھوڑ دو، تو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو تلاش کرلو، کسی اور دروازہ کو تلاش کرلو، اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی دروازہ ہے ہی نہیں، تو جب اور کوئی دروازہ نہیں تو اللہ ہی کے سامنے عبادت کرنا ہے، اللہ ہی کے سامنے جھکنا ہے، وہی خالق، وہی مالک، وہی اولاد دیگا، وہی بیماری کو دور کرے گا وہی شفا دے گا، وہی بچہ دے گا، وہی ہماری دکان کو بڑھائے گا، وہی ہمارے گھر کے اندر خیر وبرکت پیدا کرے گا، سارے کام اسی کے حکم سے ہوں گے، یہ کائنات جو اس نے بنائی، بنا کر اس کو اس نے ایسا ہی نہیں چھوڑا، یونہی کسی کے ہاتھ میں نہیں چھوڑا، اگر ہمارے تمہارے ہاتھ میں ہوتا تو ہم ایک دوسرے کو روٹی بھی نہ دیتے، مگر کائنات کو بنانا، کائنات کے نظام کو چلانا سب اللہ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے، یہ چلتا رہے گا، اور اللہ تعالی بندوں کے امتحانات لیتا رہے گا، اور پھر آنکھ بند ہونے کے بعد سب کے رزلٹ سامنے آجائیں گے، جس کا رزلٹ داہنے ہاتھ میں مل جائے گا وہ کامیاب اور بامراد ہے، اور جس کا رزلٹ بائیں ہاتھ میں ملے گا تو وہ ناکام اور نامراد ہے، تو ہمیں کوشش کرنی ہے کہ ہم بتدریج آہستہ آہستہ زندگی کے تمام اعمال کو پورا کریں اور انتظار کریں کہ اللہ کی طرف سے انشاء اللہ ہم کو بدلہ ملے گا، ہماری نماز کا بھی، ہمارے روزہ کا بھی، ہماری زکوۃ کا بھی، ہمارے صدقہ خیرات کا بھی، ہمارے حج کا بھی، ہمارے اچھے کام کرنے کا بھی، برائیوں سے بچنے کا بھی، گناہوں سے رکنے کا بھی اور خیر خواہی کا بھی، معاشرہ میں اچھے انداز سے زندگی گزارنے کا بھی، سب کو اچھا سمجھنے کا بھی، کسی کو تکلیف نہ پہنچانے کا بھی، سب کا بدلہ انشاء اللہ آپ کو مل جائے گا، دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی ملے گا، بہت سی چیزوں کا بدلہ، جس کو اللہ چاہے گا دنیا ہی میں دے گا، باقی سب چیزوں کا بدلہ آخرت میں انشاء اللہ سب کو مل جائے گا، اللہ تبارک وتعالی ہم کو سچا اور پکا مؤمن اور موحد مسلمان بنائے اور اللہ کے احکامات پر، اللہ کے فیصلوں پر قائم اور ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ❀❀

تربیت اولاد

جنس کی تعلیم اور اس کی تربیت

مولانا رحمت اللہ ندوی نیپالی استاددارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جنسی خواہش ہر انسان میں ودیعت کی گئی ہے اور یہ بہت طاقتور جبلت ہے، اگر انسان یا معاشرہ اس بے پناہ قوت کو قابو میں نہ رکھ سکے تو وہ بہیمیت (حیوانیت) بلکہ دیوانگی کے درجے تک پہنچ جاتا ہے، اگر انسان کو صحیح جنسی شعور حاصل ہوجائے تو معاشرہ جنت نشاں بن جاتا ہے، ہر بچہ میں تجسس کا فطری جذبہ موجود رہتا ہے، وہ ہر چیز کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش میں رہتا ہے، یہ کیوں ہے؟ کیسے ہے؟ کس لئے ہے؟ تلاش وجستجو کا یہی جذبہ جنسی امور میں بھی کار فرما ہوتا ہے۔

بچوں کی جنسی تجسس کو کچلنا یا اس سلسلہ میں غلط رہ نمائی دینا نہایت غیر حکیمانہ عمل ہے، جس کے برے نتائج کسی نہ کسی شکل میں ضرور سامنے آتے ہیں، اس لئے بچے کو اپنے ذہن میں جنس سے متعلق پیدا ہونے والے سوالات کا اطمینان بخش جواب چاہئے، بچے جب جنسی مسائل سے متعلق کچھ پوچھتے ہیں تو ہمارے گھرانوں اور اسکولوں میں عموماً چار طریقے اختیار کئے جاتے ہیں:

(۱) بچے کو ڈانٹ ڈپٹ کر یا سزا دے کر بالکل خاموش کردیا جاتا ہے، یہ ایک جاہلانہ رویہ ہے، جس کے بڑے خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں، آپ خود سوچئے کہ جس چیز کے بارے میں آپ کو معلومات حاصل کرنے کا اشتیاق ہو اور آپ کو جھڑک دیا جائے تو آپ کا اشتیاق ختم نہیں ہوگا بلکہ اور بڑھ جائے گا۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ بچے کو غلط سا جواب دے کر خاموش کردیا جاتا ہے، اس انداز سے سوچنے والے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ فی الوقت تو بچے کو کسی نہ کسی طرح خاموش کردیا جائے، بڑا ہوکر وہ سب کچھ خود ہی جان جائے گا، مگر یہ طریقہ بھی پہلے طریقہ سے کم خطرناک نہیں ہے، کیونکہ اس سے تو بظاہر بچہ مطمئن ہوجائے گا، لیکن کل جب آپ کا جھوٹ کھلے گا تو وہ ہمیشہ کے لئے آپ سے اعتماد کھودے گا، اور دوسرے ذرائع سے معلومات فراہم کرے گا، اور یہ جنسی ذخیرہ علم اس کی آئندہ زندگی میں بہت مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔

(۳) تیسرا طریقہ یہ اپنایا جاتا ہے کہ بلاتکلف تمام باتیں من وعن پوری تفصیل کے ساتھ بچے کو صاف صاف بتادی جائیں، یہ مغربی انداز فکر ہے اور مغرب زدہ لوگ اس نطقہ نظر کے بڑے حامی ووکیل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب بچے کو سب کچھ بتادیا جائے تو اسکا تجسس ختم ہوجائے گا، اور مزید جانکاری کا اشتیاق باقی نہیں رہے گا، مگر یہ دلیل حقیقت کے منافی ہے، جب آپ بچے کو سب کچھ بتادیں گے تو اس کا اشتیاق وتجسس ختم نہیں ہوگا بلکہ وہ مزید بھڑک جائے گا، اور وہ آپ کی باتوں کو پرکھنے کے لئے عملی تجربے کی طرف بڑھے گا، جس کی خطرناکی کا آپ خود اندازہ لگاسکتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ مغرب زدہ گھرانوں کے بچوں میں فحاشی وآوارگی زیادہ پائی جاتی ہے، اولاً تو وہاں حیاء وعصمت کا کوئی تصور نہیں، پھر ٹی وی، سنیما اور رقص وسرور کے مخرب اخلاق پروگرام ان کی آوارگی میں مزید اضافہ کرتے ہیں، والدین کی آزاد خیالی اور جنسی بے حجابی آگ پر تیل کا کام کرتی ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جنسی امور سے متعلق تسلی واطمینان کے نام پر بچے کو تمام تفصیلات بتاکر ہم اس کی جنسی دلچسپی کو حد اعتدال سے بڑھادیتے ہیں۔

(۴) مذکورہ بالا تینوں طریقوں کے بجائے بہترین طریقہ یہ ہے

کہ جنسی مسائل کے سلسلہ میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کی جائے، جنسی سوال کرنے پر بچے کو ڈانٹنے یا غلط سلط جواب بتانے یا بلا تکلف پوری تفصیل بتانے کے بجائے بچے کو ذہنی سطح کے مطابق آسان زبان میں اس کے سوال کا مختصر جواب دیا جائے، مثلاً بچہ اگر یہ سوال کرے کہ مُنّی کہاں سے آگئی؟ تو اسے اس طرح سمجھایا جائے کہ اللہ میاں نے ہر چیز پیدا کی ہے، اس نے منی کو بھی پیدا کیا ہے، تم نے دیکھا ہوگا کہ مرغی انڈا دیتی ہے، بکری بچہ دیتی ہے، اسی طرح عورت بچے کو جنتی ہے اور یہ سب اللہ میاں کے حکم سے ہوتا ہے۔

جنسی معلومات کی مقدار:

بچے کو کس حد تک جنسی معلومات فراہم کی جائیں؟ اس کا انحصار بچے کی عمر، صلاحیت اور جنسیات سے متعلق اس کے تجسس کی شدت پر ہے، اگر عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ سلیقہ مندی و ترتیب سے بچے کو جنسی معلومات فراہم ہوتی رہیں، تو دور بلوغ اور اس کے بعد بچہ کوئی خاص دقت محسوس نہیں کرتا، ورنہ عمر کے ہیجان خیز حصے میں اس کی بے راہ روی کا سخت اندیشہ ہوتا ہے، اسلام نے جنسیات سے متعلق جو ہدایات وتعلیمات دی ہیں، ان کو پیش نظر رکھا جائے، بچوں سے ان پر عمل کرایا جائے، تاکہ ان میں جنسی ہیجان پیدا نہ ہو سکے، فحش اور گندے لٹریچر بچوں کو بالکل نہ پڑھنے دیئے جائیں، پاکیزہ اور تعمیری کتابیں، رسائل اور اخبارات گھر پر منگائیں جائیں، تاکہ بچوں کا تعلق انہیں سے رہے، بچوں کے لئے دلچسپ مشاغل فراہم کئے جائیں، ان کے شب وروز کے مشاغل پر گہری نگاہ رکھی جائے، واہیات اور لغو باتوں اور فراغت وعدم فرصت کا موقع نہ دیا جائے۔

آج ہمارے معاشرے میں جنسی ہیجان کا سب سے بڑا سبب موبائل اور انٹرنیٹ ہے، بچوں کو ان سے دور رکھا جائے، نگاہ ونظر کے آداب سکھائیں جائیں، انہیں بتایا جائے کہ غیر محرم عورتوں کو دیکھنا گناہ ہے۔

جب بچے آٹھ دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر الگ الگ کر دیئے جائیں، ایک ہی بستر پر کئی کئی بچوں کو سلانا (خصوصاً سردیوں کے موسم میں ایک ہی لحاف کے اندر) جنسی تحریک کا سبب بن سکتا ہے، جنسی اختلاط بھی جنسی انارکی کا ایک بڑا سبب ہے، قریب البلوغ بچوں کو باہمی میل ملاپ سے دور رکھا جائے، ایک ہی خاندان یا پڑوس کے لڑکے لڑکیوں کا میل ملاپ تعلیم ہو یا ہوم ورک کے نام پر ملاقاتوں کا سلسلہ نہایت خطرناک ہے، والدین اس پر گہری نظر رکھیں اور حکمت عملی سے انہیں ایکدوسرے کے قریب نہ رہنے دیں۔

مخلوط تعلیم بھی جنسی بے راہ روی کا ایک بڑا سبب ہے، کاش! ہمارے ماہرین تعلیم اس طرف توجہ دیں اور دونوں جنسوں کی اعلی تعلیم کے لیے الگ الگ کالجز اور یونیورسٹیاں کھولی جائیں، بہرحال والدین اپنے بچوں کو مخلوط تعلیمی اداروں سے دور رکھیں۔

بچوں کو شروع ہی سے ساتر لباس کی عادت ڈالنی چاہئے، چست اور باریک لباس سے ان کی طبیعت میں نفرت پیدا کرنا چاہئے، شریفانہ لباس کی خوبیاں بیان کر کے انہیں اس کا عادی بنانا چاہئے، فیشن زدگی کے سیلاب کی رو میں انہیں بہنے سے روکنا چاہئے۔

بے پردگی، جدت اور فیشن کے نام مغرب نے بے حیائی کی جو سوغات ہمیں دی ہے، اسے حقارت سے ٹھکرا دیجئے، اپنی اخلاقی تعلیمات پر فخر کیجئے، احساس کمتری کے خول سے نکلئے، مغرب کی اندھی تقلید کے بجائے اسلامی تعلیمات پر شرح صدر کے ساتھ عمل کیجئے، بچوں کو کورانہ تقلید او رمغرب کی فیشن پرستی کے نقصانات سے آگاہ کرتے رہئے۔

اگر آپ نے صبر وتحمل اور دور اندیشی سے بچوں کی تربیت کا اہتمام کیا تو یقیناً وہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، روح کی تسکین اور دل کا سرور بن کر ابھریں گے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر بڑے ہو کر نا قابل علاج دردِ سر بن جائیں گے۔ (بچوں کی تربیت از صفحہ ۱۳۳ تا ۱۴۲)

طریقہ تعلیم

کامیاب معلم کی خصوصیات

مولانا حفیظ اللہ ندوی استاد ادارۃ الصدیق بہٹ، سہار نپور

کسی بھی اچھے مدرسے کی کامیابی اور مقبولیت میں ایک اچھے مدرس کا اہم کردار ہوتا ہے، مدارس کا معیار دراصل استادوں کے معیار کردار اور اعلی صلاحیتوں پر منحصر ہوتا ہے، معیاری مدرسوں کا تصور بنا اچھے اور مثالی استاد کے ممکن نہیں ہوتا، مدرس اعلی بھی اچھے استاد یعنی اچھے معاونین کی مدد سے ہی اسکول کے نظم ونسق کو کامیابی سے چلاتے ہیں، مجموعی طور پر ایک کامیاب اور مثالی استاد میں درج ذیل خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔

پرکشش پروقار شخصیت:

استاد کی شخصیت میں ایک وقار جاذبیت اور کشش کا ہونا چاہئے جس کو دیکھ کر طلبہ اور والدین دونوں ہی متاثر ہوں، اس میں وجاہت، جذباتی توازن تحمل، توانائی، خوش اخلاقی، خوش مزاجی، معاملہ فہمی، اور خوش اطواری جیسی خصوصیات کا ہونا چاہئے۔

تعلیمی لیاقت:

استاد کی تعلیمی لیاقت مکمل ہونی چاہئے انسان اپنی صلاحیت کو ترقی دینے کی فکر میں لگا رہے، جہاں انسان رہے وہاں کی زبانوں سے واقف ہو پرائمری درجات کو پڑھانے کے لئے انٹر کے ساتھ معلم اردو یا بی ٹی سی پاس ہونا ضروری ہے، اور اپنی تعلیم کے ساتھ تربیت یافتہ ہونا بھی ضروری ہے، ان لیاقتوں کے لوگ بچوں کو محنت سے پڑھائیں گے، ٹریننگ حاصل شدہ استاد تعلیمی نفسیات، بچوں کی نفسیات اور تعلیمی مسائل سے باخبر ہوتا ہے۔

استاد کا حوصلہ مند باھمت ھونا:

آج اسکول کالج کا نظم ونسق بگڑا ہوا ہے، آج کل کی سیاست میں طلبہ کو بھی گھسیٹا جاتا ہے، جس کے سبب ان میں انتشار، بے چینی اور بے ہودگی آ جاتی ہے، اور استاد کو طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بعض طالب علم غیر ذمہ دار اور بدتمیز ہوتے ہیں، حوصلہ مند اور باہمت استاد ان باتوں کی پرواہ نہ کر کے حالات کا مقابلہ کرتا ہے۔

استاد کا کردار وکریکٹر عمدہ ھو:

استاد کی سب سے بڑی خوبی اس کا کردار ہے، ہر معلم کو بلند کردار ہونا چاہئے، ایمانداری، نیکی، ذہانت، اخلاق، ضبط کا مادہ، ضبط نفس، خوفِ خدا، فرض شناسی یہ سب اس کے کردار کے اہم جز ہیں، اسکول میں وہی ٹیچر تنظیم (ڈسپلن) قائم رکھ سکتا ہے، جو اعلی کردار کا حامل ہو اس کو بات بات پر غصہ نہ آتا ہو، وہ تمام بچوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا ہو، ہر معلم کا کردار بے داغ اور مثالی ہونا چاہئے، تاکہ طلبہ اپنے استاد کی تقلید کر سکیں۔

استاد کا بچوں کی نفسیات سے واقف ھونا:

ایک اچھے استاد کے لئے بچوں کی نفسیات سے واقف ہونا بہت ضروری ہے، اگر استاد بچوں کی نفسیات سے واقف نہ ہوگا تو اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، بچوں کو صرف کتابی تعلیم دینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ان کی پوری شخصیت کی تعمیر مقصود ہے۔

بچوں کی نفسیاتی پیچیدگیوں، مسائل اور ان کی ذاتی مشکلات کو سمجھنے کی ضرورت ہے، بچوں کے رجحانات دلچسپیوں اور مشاغل کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

محبت اورھمدردی کا جذبہ:

محبت اور ہمدردی کا جذبہ اچھے استاد کا جوہر ہے غریب ومجبور اور بے سہارا طالب علموں کے ساتھ خصوصاً ہمدردی اور اپنائیت سے پیش

آنا چاہئے، بچوں کے ساتھ ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ سے کام نہیں لینا چاہئے، بچوں کی غلطیوں کو معاف کر دینا چاہئے، بچوں کی ہمت افزائی کرتے رہنا چاہئے۔

وقت کی پابندی:

ہر معلم کو وقت کی پابندی کا خیال رکھنا ضروری ہے، وقت کی پابندی بچے کو جینے کا سلیقہ سکھاتی ہے، اگر ٹیچر کلاس میں دیر سے پہنچتا ہے، تو کلاس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، جو استاد وقت پر اسکول یا کلاس میں نہیں جاتا ہے، طلبہ اس کی عزت نہیں کرتے۔

استاد کی ڈائری:

استاد کے کاموں کو سلیقہ اور سلسلہ وار چلانے میں بہت آسانی ہوتی ہے، مدرسہ کا کام صحیح ڈھنگ سے چلانے کے لئے ضروری ہے کہ مدرسہ کے حساب وکتاب وغیرہ کو سنبھال کر رکھا جائے، اس مقصد کے لئے ہی مدرسہ میں کافی ریکارڈ رکھا جاتا ہے، یہ ریکارڈ ماضی کو دیکھنے اور مستقبل کے پروگرام بنانے میں بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے، ماضی کی وجوہات کو جاننے کے بعد مستقبل میں ہم ان غلطیوں کو دہرانے سے گریز کرتے ہیں، ہمارے مستقبل کے تمام پروگرام ماضی کے ریکارڈ ماضی کی مدد سے ہی تیار کئے جاتے ہیں، اسی وجہ سے ہر مدرسہ میں ریکارڈ گزشتہ معائنے رودادیں جو اسکول کے مفاد میں موجودہ حالات کارگزاریوں اور ترقیات کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اور خود استاد کو ڈائری سے اپنے کام کا اندازہ رہتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے، اور اس نے کیا کرلیا ہے، بچوں کے ماہانہ ٹیسٹوں کے نمبر بھی اس ڈائری میں لکھے جاتے ہیں، جس سے استاد کسی بھی بچے کے بارے میں پوری رپورٹ دے سکتا ہے، اس بات کا بھی وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس بچے کو کتنی محنت کی ضرورت ہے یا اس بچے پر کتنی خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

بحیثیت کلاس ٹیچر معلم کے فرائض اور ذمہ داریاں:

مدرسہ میں تعلیم دینے والا تقریباً ہر استاد کلاس ٹیچر بھی ہوتا ہے اس کا کام صرف درس وتدریس ہی نہیں بلکہ اس سے اوپر بھی ہوتا ہے، اس کے فرائض درج ذیل ہیں:

(۱) ہر کلاس ٹیچر کو حاضری کلاس رجسٹر بھرنا پڑتا ہے، اس سلسلہ میں کلاس ٹیچر کو پوری احتیاط برتنے کی ضرورت ہے، اسے روز مرہ وقت پر بچوں کی حاضری لینا چاہئے، اس کو آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہئے۔

(۲) معلم کو ہر بچے کا نام ان کی عادت واطوار معلوم رہنا چاہئے۔

(۳) معلم کو کلاس کے تمام بچوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہئے، کلاس میں امیر غریب ہر چھوٹے بڑے طبقہ کے لوگوں کے بچے آتے ہیں، اچھے معلم کے لئے تمام بچے برابر ہیں۔

(۴) معلم کو چھوٹے بچوں کے ساتھ ہمدردی اور محبت سے پیش آنا ضروری ہے، انہیں بات بات پر ٹوکنا اچھا برا بھلا کہنا مناسب بات نہیں۔

(۵) وقتاً فوقتاً معلم کا فرض ہے کہ وہ اسکول ومدرسہ کے باہر جائے اور سماج میں بھی لوگوں سے رابطہ قائم کرے۔

(۶) طلبہ میں حب الوطنی، قومی اتحاد اور آپسی میل ومحبت کا جذبہ پیدا کرے۔

(۷) جہاں تک ممکن ہو بچوں کے لئے کھیل کود اور دیگر تفریحی سامان پرنسپل کی مدد سے مہیا کرے۔

(۸) کلاس کے ٹیچر کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہر کلاس ایک اکائی ہے، اس سے دوسری جماعتوں سے بھی رابطہ قائم رکھنا چاہئے۔

(۹) اسکول میں نظم وضبط (ڈسپلن) قائم رکھنا ہر استاد کا فرض ہے۔

(۱۰) امتحانات سے متعلق تمام چیزیں سنبھال کر رکھنا چاہئے، آج کا دور سائنس کا دور ہے، مادیت پرستی کا دور ہے، روحانیت کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے، اور استاد طالب علم کے رشتوں میں دراڑ پڑ گئے ہیں، معلموں نے ایک باقاعدہ پیشہ کی شکل اختیار کر لی ہے، اخلاق

قدریں بدل رہی ہیں، اچھے معلم کی خوبیوں کا کوئی پیمانہ نہیں ہے، خود معلم ان اصولوں او رخوبیوں سے واقف نہیں جو کامیاب استاد کیلئے کتنے ضروری ہیں اور پروفیسر ڈاکٹر رضا شاکر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے کامیاب استاد کیلئے سولہ خصوصیات مقرر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) استاد طریقہ تدریس سے اسباق کو دلچسپ بنانے والا ہو (۲) اچھے اخلاق والا ہو (۳) کلاس روم میں نظم وضبط رکھنے والا ہو (۴) پڑھانے کیلئے مناسب توضیحی سامان استعمال کرنے والا ہو (۵) اپنے مضمون میں مہارت رکھنے والا ہو (۶) ہمدرد ہو (۷) رحمدل ہو (۸) دوسروں سے اچھے روابط قائم رکھنے والا ہو (۹) محنتی ہو (۱۰) طلبہ کے ذاتی مسائل حل کرنے والا ہو (۱۱) غیر جانبدار ہو (۱۲) وقت کا پابند ہو (۱۳) دوسرے مضامین کے بارے میں پوری معلومات رکھنے والا ہو (۱۴) تعلیمی ہدایت دینے والا ہو (۱۵) بہتر مستقبل بنانے کے لئے طلباء کی رہنمائی کرنے والا ہو (۱۶) بچوں کو مضمون کی طرف راغب کرنیوالا، ہمت افزائی کرنے والا ہو۔ (بحوالہ تعلیمی اشارے صفحہ ۲۸۸)

مدرس کے اوصاف:

اس کے علاوہ سماجی علوم کے لئے ایک عمدہ استاد کی خصوصیات یہ ہیں:

(۱) وہ ایماندار ہو۔

(۲) محنتی ہو۔

(۳) طبیعت کا فیاض ہو اور اس کی تعلیم روادار نہ ہو۔

(۴) بہتر سے بہتر کام کرنے کا رویہ رکھتا ہو۔

(۵) اس کے کام کرنے کا رویہ مثبت ہو۔

(۶) وہ جسمانی اعتبار سے صحت مند ہو۔

(۷) گفتگو با اخلاق اور شائستہ ہو۔

(۸) آواز دم دار اور لہجہ مہذب ہو۔

(۹) طلباء کے تئیں ہمدردی اور خلوص رکھتا ہو۔

(۱۰) سلیقہ مند ہو۔

(۱۱) مسئلہ کا حل طلباء کی بات ختم ہونے سے پہلے سمجھ لے۔

(۱۲) ہدایت اور رہنمائی کی اہمیت ہو۔

(۱۳) انتظامی امور میں ماہر ہو۔

(۱۴) وہ وسائل کی فراہمی کرسکتا ہو۔

(۱۵) رجائیت اور جوش سے بھر پور ہو۔

(۱۶) قوت برداشت رکھتا ہو۔

(۱۷) ترسیل کا فن جانتا ہو۔

(۱۸) وہ طلباء کے معقول اور جوامع جوابات دے سکتا ہو۔

(۱۹) سمعی وبصری امداد خود تیار کرسکتا ہو۔

(۲۰) علم نفسیات کی باریکیوں سے واقف ہو خصوصاً بچوں کی نفسیات کا علم رکھتا ہو۔

(۲۱) برتاؤ اچھا ہو۔

(۲۲) تدریس کے مختلف طریقے استعمال کرنا جانتا ہو۔

(۲۳) اس نے کسی اچھے تربیتی ادارے سے تربیت حاصل کی ہو۔

(۲۴) اسکے اندر کسی بھی طرح کا مذہبی لسانی علاقائی تعصب نہ ہو۔

(۲۵) وہ وطن سے محبت رکھتا ہو۔

(۲۶) بغیر سبق کی تیاری کے درجہ میں نہ جاتا ہو۔

(۲۷) تختہ سیاہ کا بہتر سے بہتر استعمال کرسکتا ہو۔

(۲۸) طلباء سے گہرا ربط وضبط ہو۔

معلم بحیثیت ہیڈ ماسٹر /پرنسپل:

کسی بھی اسکول کی کامیابی کا دارومدار ہیڈ ماسٹر پر ہوتا ہے، وہ جیسا ہوگا اسکول بھی ویسا ہی ہوگا، لہٰذا اس کی حیثیت ایک مطلق العنان شہنشاہ کی نہیں ہونی چاہئے بلکہ وہ ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت سے اسکول میں اپنے فرائض انجام دے، اہم فرائض درج ذیل ہیں:

(۱) وہ دیگر اساتذہ کی طرح کام کرے۔

(۲) اساتذہ اور عملہ کے ساتھ مکمل تعاون کرے، عملہ کی قدر کرے۔

(۳) اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو اور انہیں پورا بھی کرے۔

(۴) اپنے ماتحت عملہ کی مشکلات حل کرنے میں مدد کرے۔

(۵) طلباء کے والدین کے ساتھ تعلقات قائم کرے۔

(۶) دیگر مدارس سے بھی اس کا رابطہ قائم رہے۔

(۷) نئی نئی تعلیمی اسکولوں پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

(۸) اساتذہ کے ذریعہ طلباء کے کردار اور کارکردگیوں سے واقفیت رہے۔

(۱۰) ٹائم ٹیبل بناتے وقت تدریسی اور غیر تدریسی کاموں کو مدرسین کی قابلیت کی بنیاد پر سونپنا چاہئے۔

(۱۱) اساتذہ کے مشورے سے تدریسی اور اموری انتظام کو پورا کرے۔

(۱۲) ایک معتبر ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل میں تمام اوصاف ہونے چاہئے جو ایک کامیاب استاد کے امور ہوتے ہیں، اس کے علاوہ اسے چند بے حد اہم خوبیوں کا مالک بھی ہونا چاہئے جس سے وہ ایک اسکول کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں اہل ثابت ہو سکے۔

یہ خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) وہ اچھا منتظم ہو، انتظامی امور کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔(۲) پراعتماد اور حوصلہ مند ہو۔(۳) وجیہہ شخصیت کا مالک ہو۔(۴) خوش لباس ہو۔(۵) زبان وبیان پر قدرت رکھتا ہو۔(۶) قوت برداشت رکھتا ہو۔(۷) ایماندار ہو۔(۸) کسی بھی طرح کی سماجی اور اخلاقی برائیوں کا شکار نہ ہو۔(۹) عوام سے تعلقات استوار کرنے میں ماہر ہو۔(۱۰) حکام وغیرہ سے بھی اس کے معاملات عمدہ ہوں۔(۱۱) صورتحال کے مطابق مزاج کو سخت اور نرم بنانے پر قادر ہو۔(۱۲) قوت فیصلہ شاندار ہو اور اس کے جانب سے کئے گئے فیصلے اسکول اور طلباء کی ترقی کے حق میں ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ مدرسہ اسکول کالجز کے تمام ذمہ داران معلّمین ومعلّمات کو ان تمام خوبیوں کا مالک بنادے۔ آمین

❁❁❁❁

خوشخبری خوشخبری خوشخبری

دورۂ حدیث شریف کا آغاز

بڑی خوشی ومسرت کے ساتھ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ آئندہ سال عید کے بعد شوال ۱۴۳۶ھ سے مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور، ضلع سہارنپور میں دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہو رہا ہے، اس لئے موقوف علیہ کے تمام طلبہ کے لئے سنہری موقع ہے کہ وہ دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیکر سند فراغ حاصل کریں، واضح رہے کہ مدرسہ ''فیض ہدایت رحیمی رائے پور'' ایک قدیم ادارہ ہے، جس کو ہمیشہ علماء کرام اور بزرگان دین کی سرپرستی حاصل رہی ہے، اس لئے آئندہ سال سے ''فیض ہدایت رحیمی'' کے فیض کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے بخاری شریف کا آغاز کیا جارہا ہے۔

المعلن: حضرت مولانا محمد عباس صاحب مظاہری

ناظم: مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور، ضلع سہارنپور (یوپی)

تاریخ ہند

ہندوستان میں غیروں کی حکمرانی
مسلم بادشاہوں کی لاپرواہی کا نتیجہ

مولانا محمد الیاس ندوی جنرل سکریٹری مولانا ابوالحسن اکیڈمی، بھٹکل

ہندوستان میں آنگریزوں کی آمد:

زمانۂ دراز سے ہندوستان کے یورپ سے تجارتی تعلقات تھے، یہاں سے سوتی وریشمی کپڑے اور مصالحے وغیرہ ترکی کے بری راستہ سے یورپ جاتے تھے، بعد میں جب یہ سلسلہ بند ہوا تو بحری راستہ سے یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا، ۱۴۹۸ء میں پرتگیزی جہازراں واسکوڈی گاما افریقہ ہوتے ہوئے اسدالبحر نامی ایک مسلمان کی معیت میں ہندوستان میں کالی کٹ (کیرلا) کے ساحل پر پہنچا جس کے بعد پرتگیزی تاجروں کو کیرلا کے مقامی باشندوں پر تجارت میں غلبہ حاصل ہوا اور انھوں نے ۱۵۰۷ء میں کالی کٹ اور گوا میں اپنے تجارتی قلعے تعمیر کئے، کچھ مدت بعد ہالینڈ کے تاجر بھی تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے، اس کے علاوہ جرمنی، سوئیڈن، فرانس، برطانیہ اور ڈنمارک وغیرہ سے بھی بڑی تعداد میں یوروپی تاجروں کی ہندوستان آمد شروع ہوئی اور انھوں نے ہندوستان کے ساحلی شہروں میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔

سولہویں صدی عیسوی میں مغلیہ حکومت کے دوران برطانیہ سے انگریز تاجر بن کر ہندوستان آئے، برطانوی بادشاہ جیمس اول کے زمانہ میں پہلی دفعہ ۱۶۱۵ء میں کپتان ولیم ہاکنس قیمتی تحائف کے ساتھ شاہ انگلستان کا پہلا سفارتی خط لے کر مغل بادشاہ جہانگیر کے دربار میں آیا اور یہیں سے باضابطہ ہندوستان کی حکومت کا برطانوی حکومت سے سفارتی تعلق قائم ہوگیا، مغل بادشاہ جہانگیر کی اجازت سے انھوں نے سب سے پہلے سورت، احمد آباد اور آگرہ وغیرہ میں اپنے تجارتی مراکز قائم کئے، اس کے بعد مدراس، کلکتہ اور ممبئی وغیرہ میں بھی ۱۵۱۰ء میں پرتگالیوں نے گوا پر اور ۱۶۶۴ء میں فرانسیسیوں نے پانڈیچری پر قبضہ کرلیا، ۱۷۰۸ء تک انگریزوں کی ہندوستان میں تین بڑی کمپنیاں قائم ہوچکی تھیں، بعد میں ان تین کمپنیوں کی آپسی ناچاقی کو دیکھتے ہوئے ملکہ برطانیہ کے حکم سے ایک متحدہ تجارتی کمپنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے وجود میں آئی، ۱۶۴۰ء میں دکن کے راجہ نے انگریزوں کو موجودہ چنائی کا علاقہ دیا، برطانیہ کے بادشاہ چارلس دوم کی ملکہ کو پرتگال کے بادشاہ نے جو ان کے والد تھے موجودہ بمبئی کا جزیرہ بطور جہیز دیا تھا جس کو بعد میں ملکہ نے ہندوستان میں موجودہ برطانوی کمپنی کو دے دیا جس کے بعد انگریزوں نے اپنا تجارتی مرکز سورت سے ممبئی منتقل کردیا، ۱۶۶۱ء میں جب مغل بادشاہ اورنگ زیب نے انگریزوں کے عزائم کو بھانپ لیا تو ان کو ہندوستان سے باہر کردیا لیکن بعد میں ان کو پھر ہندوستان واپس آنے کی اجازت ملی، جس کے بعد انھوں نے کلکتہ شہر کو خرید لیا اور وہاں اپنا فوجی قلعہ تعمیر کیا، اس کے علاوہ مدراس میں بھی انھوں نے اپنا تجارتی مرکز قائم کرلیا، اورنگ زیب کو اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ انگریز تجارت کے نام سے ہندوستان میں اپنے فوجی قلعے تعمیر کررہے ہیں، اسی لیے اس نے اپنے مختلف گورنروں کے نام یہ حکم جاری کردیا تھا کہ وہ ملک میں ان کی تجارت پر پابندی لگائیں، چنانچہ جب شاہ انگلستان جیمس دوم کو اورنگ زیب کے اس سلوک کا علم ہوا تو اس نے کلکتہ کے قریب مشرقی بنگال کے بندرگاہی شہر چاٹگام پر حملہ کے لیے اپنے بحری فوج روانہ کی لیکن اس میں ان کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا جس کے بعد انھوں نے گجرات کے شہر سورت سے حج کے لیے جانے

والے بحری جہازوں کو لوٹنا شروع کیا، لیکن جلد ہی برطانوی تجارتی کمپنی کا دیوالیہ نکل گیا، جس کے بعد ان کی طرف سے منت سماجت کے بعد ان کو ۱۶۹۰ء میں دوبارہ تجارت کی اجازت دی گئی۔

ہندوستان انگریزوں کے قبضہ میں:

انگریز اب آہستہ آہستہ ملک کے انتظامی امور میں داخل دینے لگے اوران کا اثر اتنا بڑھا کہ بادشاہ وقت کے لیے کسی معاملہ میں ان کو نظرانداز کرنا ممکن نہ رہا، ہندوستانی حکمرانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کرانھوں نے آہستہ آہستہ جنوب میں کرناٹک اور مشرق میں کلکتہ پر قبضہ کرلیا، نواب ارکاٹ کی مدد کے بہانے مدراس پران کا قبضہ پہلے سے ہی ہو چکا تھا، بنگال میں مرشدآباد کے حاکم نواب سراج الدولہ نے ۱۷۵۷ء میں ان کو شکست دینے کی کوشش کی لیکن اپنے وزیر میر جعفر کی غداری کی وجہ سے پلاسی کے مقام پر وہ شکست کھا گئے، یہ پلاسی کی جنگ کہلائی، اس جنگ میں انگریزوں کی فوج صرف تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی جب کہ سراج الدولہ کے پاس ستر ہزار کی فوج تھی، سراج الدولہ کو جنگ کے بعد انگریزوں نے گرفتار کرکے قتل کردیا، ان کی شکست کی بنیادی وجہ فوج میں شامل منافقوں اور غداروں کی موجودگی تھی جن کا عبرتناک انجام چند ہی دنوں میں دنیا نے بھی دیکھ لیا، میر جعفر جذام کے مرض میں تڑپ تڑپ کر مرا، سیٹھ امی چند پاگل ہوگیا اور راجہ درلب غرق ہوکر مرا، اس کے بعد انہوں نے بنگال میں چوبیس پرگنہ پر قبضہ کرلیا، جو ہندوستان میں انگریزوں کا پہلا باضابطہ قبضہ تھا۔

۱۷۶۰ء میں مرشدآباد ہی کا حاکم میر جعفر کے داماد میر قاسم دہلی کے بادشاہ شاہ عالم اور اودھ کے حاکم نواب شجاع الدولہ نے اپنی مشترکہ فوج کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، لیکن بکسر کے میدان میں ۱۷۶۴ء میں ان کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس جنگ میں مسلمانوں کے پاس پچاس ہزار کی فوج تھی، جب کہ انگریزوں کے پاس صرف سات ہزار کی، شکست کے بعد شاہ عالم نے انگریزوں سے مصالحت کرلی اوران کا وظیفہ خوار بن کر بہار، بنگال اور اڑیسہ کا پورا خطہ ان کے حوالہ کردیا، شجاع الدولہ نے بھی انگریزوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے، ۱۷۷۲ء میں ہندوستان میں پہلے انگریز گورنر جنرل ہسٹنگر کا تقرر عمل میں آیا، تیسری دفعہ ریاست میسور کے حاکم حیدرعلی کے قابل فرزند اور جانشین سلطان ٹیپو شہید نے پوری قوت سے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی کوشش کی لیکن ان کو بھی خود اپنوں کی سازش سے جس میں سرفہرست میر صادق تھا اور مرہٹوں کے ساتھ انگریزوں کے اشتراک کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بھی ۱۷۹۹ء میں جام شہادت نوش کرکے ملک سے مسلمانوں کی وفاداری کی ایک عظیم تاریخ اپنے پیچھے چھوڑ گئے، سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں کی ہمت اور بڑھی اور انہوں نے بنگال وکرناٹک کے بعد پنجاب، اودھ اور برما وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔

کرناٹک کی جنگیں:

۱۷۴۰ء تا ۱۷۶۳ء کے درمیان انگریزوں اورفرانسیسیوں میں کرناٹک کے مختلف علاقوں پر قبضہ کے لیے جو جنگیں ہوئیں وہ کرناٹک کی جنگیں کہلائیں، کرناٹک اب ایک مستقل صوبہ کا نام ہے جو ہندوستان کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اس میں سابقہ سلطنت حیدرآباد وممبئی کے کئی اضلاع بھی شامل ہیں، اس کو پہلے ریاست میسور کہا جاتا تھا۔

پہلی باضابطہ جنگ آزادی:

یوں تو جب سے انگریزوں کا ہمارے ملک پر قبضہ کا آغاز ہوا اسی وقت سے یہاں کے باشندوں نے ان کو ملک سے باہر کرنے کے لیے اپنی کوششیں شروع کردی تھیں، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ۱۸۵۷ء سے جنگ آزادی کا آغاز ہوا، ۱۷۵۷ء میں بنگال کے آخری نواب سراج الدولہ اور ۱۷۹۹ء میں سلطنت خداداد میسور کے حاکم سلطان ٹیپو شہید انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو چکے تھے، البتہ ۱۸۵۷ء میں تمام ہندوستانیوں نے بلاتفریق مذہب وملت مشترک طور پر انگریزوں سے ہندوستان کی آزادی کے لیے دوبارہ لڑنا شروع کیا، اس لیے یہ جنگ مطلق پہلی جنگ کے بجائے پہلی باضابطہ جنگ کہلائی

جاسکتی ہے، انگریزوں کے خلاف ان کی یہ مشترکہ کوشش زبردست جنگ آزادی کی شکل اختیار کرگئی، میرٹھ کے مقام سے اس کا آغاز ہوا، انگریزی فوج میں شامل مسلم وہندوسپاہیوں نے انگریز افسروں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، عوام بھی بڑی تعداد میں اس میں شریک ہوئے، انگریزوں کو ملک سے بھگانے کے لیے شروع ہونے والی اس باضابطہ پہلی جنگ آزادی کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا اگرچہ اس پہلی جنگ آزادی میں ابتداء میں انگریزوں کو شکست ہوئی لیکن چونکہ ان کے پاس بہت زیادہ وسائل تھے، اس لیے وہ بہت جلد سنبھل گئے، ملک کی آزادی کے لیے لڑنے والے جانباز انقلابیوں نے سب سے پہلے دہلی پر قبضہ کیا اور بہادر شاہ ظفر کو ہندوستان کا بادشاہ بنانے کا اعلان کیا لیکن جلد ہی انگریزوں نے پھر دہلی، لکھنؤ، بنارس اور الہ آباد پر قبضہ کرلیا، جھانسی کی رانی لکشمی بائی اسی دوران انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ماری گئی، بہادر شاہ ظفر گرفتار ہوکر رنگون (برما) جلاوطن کردیے گئے۔

اس بغاوت کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ہندوستان پر انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا سلسلہ ختم ہوا اور براہ راست برطانیہ کی سرکار نے ملک پر حکومت کرنا شروع کیا، ملکہ برطانیہ نے ۱۸۵۸ء میں ہندوستانیوں کے لیے ان کے دستوری حقوق دینے کا اعلان کیا لیکن وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرسکی، اس کے بعد گورنر جنرل کے بجائے ملکہ برطانیہ یعنی ملکہ وکٹوریہ کے نمائندے کے حیثیت سے وائسرائے کو زمام حکومت سونپی گئی، یہ سلسلہ ہندوستان کی آزادی تک جاری رہا۔

انگریزوں کے خلاف اس جنگ میں کئی راجہ، مہاراجہ اور نواب پیش پیش تھے جس میں سرفہرست جھانسی کی رانی لکشمی بائی تھی جس نے انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے صرف بائیس سال کی عمر میں اپنی جان دی، کرناٹک میں قائم چھوٹی سی ریاست کتور کی رانی چنّما قید کردی گئی، گوالیار کے تانتیا ٹوپی کو گرفتار کرکے پھانسی دی گئی اور دہلی کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو برما (رنگون) میں قید کیا گیا اور وہیں ان کی وفات ہوئی، اس کے علاوہ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، کانپور کے نانا صاحب، لکھنؤ کی بیگم حضرت محل اور بہار کے کنور سنگھ وغیرہ بھی انگریزوں کے خلاف آزادی کی اس جنگ میں پیش پیش تھے۔

ملک کی آزادی میں مسلمانوں کا حصہ:

ہمارے ملک کی آزادی میں ہندوستان کی تمام اقوام میں مجموعی طور پر سب سے زیادہ مسلمانوں ہی کا رہا جس کے لیے علماء کی قیادت میں مسلم عوام نے جذبہ حریت سے سرشار ہوکر سرفروشی وحب الوطنی کے وہ نمونے پیش کیے جس کی مثال ہندوستان کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی، برطانوی فیلڈ مارشل رابرٹ نے اپنی کتاب ''ہندوستان میں ۴۱ سال'' میں لکھا ہے کہ صرف ۱۸۵۷ء میں ستائیس ہزار مسلمانوں کو پھانسی دی گئی، قتل عام میں جو مارے گئے، ان کا تو شمار ہی نہیں، غیر ملکی سامراج کے خلاف ملک کی اس آزادی کے لیے سلطان ٹیپو نے جام شہادت نوش کیا، مرشد آباد کے حاکم نواب سراج الدولہ کو قتل کیا گیا، مغلیہ سلطنت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو پہلے تو دہلی میں ہمایوں کے مقبرہ میں قید کیا گیا اور اس کے شہزادوں کا سر قلم کرکے طشت میں سجا کر اس کے سامنے پیش کیا گیا پھر اس کو پابہ زنجیر کرکے رنگون جلاوطن کیا گیا، احمد اللہ شاہ کو شہید کیا گیا، شیخ الہند مولانا محمود حسن کو یورپ لے جاکر بحیرۂ روم کے جزیرہ مالٹا میں قید کیا گیا، ہزاروں علماء کو پھانسی دی گئی، اور لاکھوں مسلمانوں کو جیلوں میں قید کرکے ناقابل یقین سزائیں دی گئیں اس سلسلہ میں حضرت سید احمد شہید کی تحریک سے وابستہ مجاہدین بالخصوص علماء صادق پورو ہیلکنڈی کی قربانیوں وسرفروشیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں جنگ آزادی کا آغاز ہوا حالانکہ مسلمان اس سے بہت پہلے برطانوی سامراج کے خلاف میدان میں آچکے تھے اور اس سے بہت پہلے تحریک آزادی اس وقت شروع ہوچکی تھی جب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے انگریزوں کے خلاف ملک کی آزادی کے لیے راہ ہموار کی، اس کے بعد ۱۸۰۳ء میں ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز

صاحب دہلوی نے اس کو دارالحرب قرار دیا، ۱۷۵۷ء میں نواب سراج الدولہ نے ان کے خلاف پلاسی کے مقام پر اور نواب حیدر علی نے ۱۷۶۷ء میں میسور میں ان کا مقابلہ کیا اور انگریزوں کو ملک سے باہر کرنے کی یہ تحریک پورے ملک میں چل پڑی اور ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی کے ساتھ ہی اس کا اختتام ہوا۔

مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کی بدسلوکی:

انگریز چونکہ عالمی سطح پر اسلام ہی کو عیسائیت کا حریف اور مدمقابل سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے خاص کر اس ملک پر اپنے مکمل قبضہ کے بعد مسلمانوں کا ملک میں جینا دوبھر کر دیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فطری طور پر مسلمانوں اور ان کے علماء ہی اس جنگ آزادی میں پیش پیش رہے اور ان ہی کو اس جنگ آزادی کا ذمہ دار سمجھا گیا اور انگریزوں کی زیادہ تر انتقامی کارروائیوں کا ان ہی کا سامنا کرنا پڑا، اسی لیے انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ کو جنگ آزادی کے بجائے اسلامی بغاوت کا نام دیا۔

اسی کے ساتھ پورے ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے مشنری جال بچھایا گیا اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لیے طرح طرح کی کوششیں کی گئیں، جب مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے انگریز فوج نے سور کی چربی سے بنے کارتوس استعمال کرنے شروع کئے تو پورے ملک میں مسلمانوں کے اشتعال کی وجہ سے بغاوت کی تحریک مزید منظم ہوگئی۔

انگریزوں نے اہل ہند کی آزادی کے لیے کی جانے والی ان مشترکہ کوششوں کو طاقت کے بل بوتے پر کچلنا چاہا لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہوسکے، بالآخر انہوں نے لاکھوں لوگوں کو فرضی مقدمات میں پھانسی کر قتل کیا، اس سے زیادہ لوگوں کو اذیت ناک سزائیں دیں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلم علماء پھانسی پر چڑھادئے گئے، ملک کے نظام تعلیم، معیشت، عدلیہ اور انتظامیہ وغیرہ میں اس طرح تبدیلی لائی گئی کہ اس میں خاص کر مسلمان فاضل عنصر بن کر رہ جائیں مسلمانوں کی ملکیتیں و جائیدادیں ضبط کی گئیں، سرکاری ملازمتوں سے مسلمانوں کو چن چن کر نکالا گیا اور ان کو تعلیمی اقتصادی، سیاسی و سماجی غرضیکہ ہر میدان میں پستی کی آخری حد تک پہنچانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کیں گئیں۔

جنگ عظیم دوم میں ہندوستان کی شرکت:

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک عالمی سطح پر یورپ میں ایک بھیانک جنگ ہوئی جو جنگ عظیم اول کہلائی، اس میں دنیا کے متعدد ممالک شامل تھے، ایک طرف جرمنی، آسٹریا اور ترکی اور دوسری طرف برطانیہ، فرانس، اٹلی، روس اور امریکہ تھے، اس میں جرمنی اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی اور ترکی سے خلافت اسلامیہ (خلافت عثمانیہ) کا خاتمہ ہوا۔

۱۹۳۹ء میں عالمی سطح پر دوبارہ جنگ شروع ہوئی جو جنگ عظیم دوم کہلائی اس مرتبہ جرمنی کا ساتھ جاپان اور اٹلی نے دیا اور انگریزوں کے ساتھ بدستور روس، فرانس اور امریکہ رہے۔

انگریزوں نے ہندوستان کو بھی اس عالمی جنگ میں شریک کرلیا جس سے ہندوستان کے عوام ناراض ہوگئے اور اس کے خلاف سول نافرمانی کی عوامی تحریک شروع ہوئی، جاپان نے برما کی فتح کے بعد ہندوستان کی طرف قدم بڑھائے اور آسام و برما کی سرحدوں پر بم برسائے ۱۹۴۵ء میں جرمنی کو شکست ہوئی لیکن انگریز اپنی فتح کے باوجود تھک گئے تھے اور ہندوستانیوں کی اپنے ملک کی آزادی کے لیے قربانیوں اور روز روز کے ہنگاموں سے تنگ آچکے تھے، چنانچہ ملک کے مختلف جیلوں میں قید قومی لیڈروں کو رہا کیا گیا اور ملک کے سیاسی لیڈروں کے ساتھ مصالحت کی باتیں ہونے لگیں۔

صبح آزادی:

بڑی محنتوں، قربانیوں اور کوششوں کے بعد بالآخر ہمارا یہ ملک ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو انگریزوں کے قبضہ سے آزاد ہوا، بھارت کی اس جنگ آزادی میں مولانا ابوالکلام آزاد، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، سردار ولبھ بھائی پٹیل، سروجنی نائیڈو، راج گوپال اچاریہ، بھگت سنگھ،

مولانا حسرت موہانی، سبھاش چند بوس، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار انصاری، رفیع احمد قدوائی، مولانا حسین احمد مدنی، سرحدی گاندی خان عبدالغفار وغیرہم سرفہرست تھے۔

انگریزوں نے جاتے جاتے بھی ایک سازش کی اور مشرقی بنگال، سندھ بلوچستان، سرحد اور مغربی پنجاب پر مشتمل مسلم اکثریتی ریاستوں کو پاکستان کے نام سے متحدہ ہندوستان سے علیحدہ کر کے الگ ملک بنادیا لیکن پاکستان سے بھی مشرقی بنگال کا مسلم اکثریتی علاقہ جو بنگالی مسلمانوں پر مشتمل تھا ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کے نام سے علیحدہ ہوگیا اور الگ ملک کہلایا۔

۱۹۴۷ء میں ملک کی اس تقسیم کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنے محبوب مادر وطن ہندوستان ہی میں اپنی سکونت کو ترجیح دی، ملک کی اس تقسیم کے موقع پر ہندوستان کی تاریخ میں وہ ہولناک فسادات رونما ہوئے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، دونوں طرف لاکھوں لوگ مارے گئے، اس سے زیادہ معذور وزخمی ہوئے اور بے شمار لوگ اپنے محبوب اور عزیز وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔

ملک کی اس تقسیم کا سب سے زیادہ اثر ہندوستان میں باقی رہنے والے مسلمانوں پر پڑا اور ایک خاص ذہن وفکر رکھنے والوں کے نزدیک ہندوستان سے اب ان کی وفاداری مشکوک ہوگئی اور وہ خود اپنے وطن عزیز میں اپنے ہم وطنوں کے سامنے بیگانہ ہوکر رہ گئے؛ لیکن ان مسلمانوں نے آزادی کے بعد بھی حسب سابق ملک سے اپنی وفاداری کا ہمیشہ ثبوت پیش کیا، ملک کے دفاع وتحفظ اور اس کی ترقی کے لیے وہ قربانیاں پیش کیں جس کو ہندوستان کی تاریخ کا زریں باب کہا جاسکتا ہے اور وہ اپنے ہم وطنوں سے محمد حسین فطرت بھٹکلی کے الفاظ میں ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ

وطن کی سرزمیں سے دم وفاداری کا بھرنا ہے
یہیں پیدا ہوئے ہیں ہم یہیں پہ ہم کو مرنا ہے

انگریزوں کی حکمرانی کے منفی پہلو:

انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں جتنا ہوسکا ہمارے ملک کی دولت کو لوٹ کر برطانیہ پہنچایا اور اس کو جو بقول خود ان کے سونے کی چڑیا تھا پسماندہ بنادیا، برطانیہ کی صنعتی چیزوں کا ہمارے ملک کو شوروم بنادیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی برآمدات میں کمی آئی اور برطانیہ کی برآمدات میں اضافہ ہوا۔

اسی طرح اپنے عہد حکمرانی کے دوران انھوں نے ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو سینکڑوں سالوں سے بھائی بھائی کی طرح زندگی گزار رہے تھے، منافرت کے بیج بودیئے، ملک کا پورا نظام تعلیم بدل کر رکھ دیا، معیشت اور انتظامیہ وغیرہ کا ڈھانچہ اس طرح تبدیل کیا کہ اس میں خاص کر مسلمان فاضل عنصر بن کر رہ جائیں، اپنی تہذیب وثقافت اور قدیم کلچر سے متعلق یہاں کے باشندوں کے دلوں میں نفرت ووحشت کے بیج بودیئے، مذہبی اقدار سے عوام کو دور کیا اور مغربی تہذیب کا یہاں کے باشندوں کو اس طرح دلدادہ بنایا کہ وہ خود اپنی ثقافت وکلچر سے دور ہوگئے، غرضیکہ انگریزوں نے ملک کی تہذیبی وتمدنی، سماجی واقتصادی زندگی میں اپنی بے حیا مغربی تہذیب کے وہ انمٹ نقوش چھوڑے جس کو ہم لوگ اب تک بداخلاقی اور بے حیائی وغیرہ کی شکل میں ہر جگہ دیکھ رہے ہیں۔

اسلامی احکامات میں تبدیلی کی ضرورت نہیں

اللہ جل شانہ نے جو آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر احکامات بھیجے ہیں وہ آخرت تک آنے والے انسانوں کو سامنے رکھ کر بھیجے ہیں، چونکہ اللہ تعالی ماضی، حال، مستقبل سب سے باخبر ہیں، اس لئے اللہ تعالی کے بنائے ہوئے قوانین میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہوتی، انسان جو ماضی اور حال سے کس قدر واقف ہوتا، مستقبل سے واقف نہیں ہوتا، اس لئے اس کو اپنے بنائے ہوئے قوانین میں تبدیلی کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔

(ماخوذ: تذکیر ودعوت۔ از مولانا عبداللہ قاسمی خلیل آبادی)

تجزیہ

دنیا اور آخرت میں گناہوں کی سخت سزائیں

مولانا محمد حذیفہ غلام وستانوی جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ دنیا دار العمل اور آخرت دار الجزاء ہے، لہٰذا اچھائی برائی کی جزاء وہیں ہوگی، دنیا میں اس سے کچھ نہیں ہوتا حالانکہ یہ سوچ بالکل بے بنیاد اور حقیقت واقعہ سے عاری ہے، کیونکہ یہ مشاہدہ ہے اور تاریخ اس پر شاہد عدل ہے کہ برائی کا انجام بہر حال برا ہوتا ہے۔

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ جو کام بالذات مقصود ہو اس میں کوتاہی کو ''سیئۃ'' کہتے ہیں اور جو بالذات مقصود نہ ہو بلکہ عرض اور واسطے کے قبیل سے ہو، اس کوتاہی کو ''خطیئۃ'' کہتے ہیں۔

''الذنب'' کہتے ہیں دُم کو، گناہ کا انجام بھی اچھا نہیں ہوتا، لہٰذا گناہ کو بھی ذنب کہا جاتا ہے۔

''اثم'' کے معنی ہے کارِ ثواب کے کرنے میں سستی سے کام لینا اور انسان گناہ کرتا ہے تو کارِ ثواب سے غافل ہو جاتا ہے، اس لیے گناہ کو ''اثم'' کہتے ہیں۔

''معصیۃ'' کے معنی، نافرمانی اور مخالفت کرنا، گناہ میں بھی بندہ اپنے رب کی مخالفت کرتا ہے، اس لیے اسے معصیت کہا جاتا ہے۔

گناہ کی عام تعریف:

اللہ اور رسول نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں نہ کرنا؛ اور جن کے کرنے سے روکا ہے انہیں کرنا یہ ہے گناہ۔

اس تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر وہ قول، فعل یا عمل جس کے کرنے کا اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہوا سے نہ کرنا اور جس کے کرنے سے روکا ہو اسے کرنا یہ تعریف عام ہے، کبیرہ وصغیرہ دونوں کو شامل ہے، اب ہم گناہ کی تقسیم اور گناہِ کبیرہ وصغیرہ کی تعریف کرتے ہیں۔

گناہ کی دو قسمیں ہیں:

گناہ کبیرہ: ہر وہ کام یا نافرمانی جس کے بارے میں شریعت کی جانب سے قباحت یا لعنت اور وعید وارد ہوتی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے مثلاً:

(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔
(۲) جادو کا عمل کرنا، کرانا۔
(۳) ناحق قتل کرنا۔
(۴) سود کھانا، کھلانا یا اس پر گواہ بننا۔
(۵) یتیم کا مال کھانا۔
(۶) والدین کی نافرمانی کرنا۔
(۷) زکوٰۃ نہ دینا۔
(۸) عمداً رمضان کا روزہ نہ رکھنا۔
(۹) قدرت کے باوجود حج نہ کرنا۔
(۱۰) زنا کرنا یا اغلام بازی کرنا۔
(۱۱) رشتہ داروں کے ساتھ برا سلوک کرنا۔
(۱۲) تکبر کرنا۔
(۱۳) شراب پینا۔
(۱۴) جوا کھیلنا۔
(۱۵) چوری کرنا۔
(۱۶) جھوٹی قسم کھانا۔
(۱۷) رشوت کھانا۔

(۱۸) جھوٹ بولنا۔

(۱۹) ناحق کسی کو ستانا۔

(۲۰) مردوں کا عورت کی مشابہت اور عورتوں کا مردوں کی مشابہت اختیار کرنا۔

(۲۱) پیشاب کے قطرے سے اجتناب نہ کرنا۔

(۲۲) فرض وواجب نماز کو ترک کرنا۔

(۲۳) چغل خوری کرنا۔

(۲۴) تقدیر کا انکار کرنا۔

(۲۵) بدفالی لینا۔

(۲۶) ذی روح کی تصاویر لینا۔

(۲۷) نوحہ کرنا، سرکشی کرنا۔

(۲۸) کمزوروں کو ناحق مارنا، مثلاً بیوی بچے اور جانوروں کو۔

(۲۹) پڑوسی کو ستانا۔

(۳۰) ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا۔

(۳۱) مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا۔

(۳۲) سونے چاندی کے برتن میں کھانا اور پینا۔

(۳۳) مرد کا سونا یا ریشم زیب تن کرنا۔

(۳۴) لڑائی جھگڑا کرنا۔

(۳۵) دھوکہ بازی کرنا۔

(۳۶) صحابہ کو برا بھلا کہنا۔

(۳۷) خیانت کرنا۔

(۳۸) ناحق کسی پر لعن طعن کرنا۔

(۳۹) بے وفائی اور وعدہ خلافی کرنا۔

(۴۱) ناپ تول میں کمی زیادتی کرنا۔

(۴۲) عورتوں کا بال کٹوانا۔

(۴۳) مصیبت پر واویلا مچانا۔

(۴۴) مختصر اور تنگ لباس زیب تن کرنا۔

(۴۵) اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت کرنا۔

(۴۶) اجنبیہ عورت کے ساتھ مصافحہ کرنا۔

(۴۷) عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا۔

(۴۸) میوزک اور گانے سننا۔

(۴۹) اپنے مال کو فضول ضائع کرنا۔

(۵۰) حائضہ بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا۔

(۵۱) عورت کا بن سنور کر، خوشبو لگا کر اور بے پردہ اجنبی مردوں کے سامنے نکلنا۔

(۵۲) مزدور کو اس کی مزدوری نہ دینا۔

(۵۳) بلا ضرورت لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا۔

(۵۴) بدعت کا ارتکاب کرنا۔

(۵۵) اجنبی عورت کو عمداً دیکھنا۔

(۵۶) نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھنا۔

(۵۷) جلدی جلدی نماز پڑھنا۔

(۵۸) کسی کو برے نام سے پکارنا۔

(۵۹) اولیاء سے عداوت کرنا۔

(۶۰) کھلے عام گناہ کرنا۔

(۶۱) اپنے گناہ کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا۔

(۶۲) مسجد میں باتیں کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہم اپنے معاشرے پر ایک نظر ڈالیں اور گناہ کبیرہ کی فہرست پر ایک نظر دوڑائیں، تو معلوم ہوگا کہ ہماری اکثریت ان گناہوں میں ملوث ہے؛ بعض تو ان میں ایسے ہیں کہ گناہوں کو گناہ ہی نہیں سمجھتے اور بعض کبیرہ کو صغیرہ گناہ تصور کرتے ہیں، یہ ہمارے سوچنے کا مقام ہے اللہ ہم کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

گناہ صغیرہ:

صغیرہ ہر اس گناہ کو کہا جاتا ہے جس کو کرنے سے شریعت نے روکا

ہو، البتہ اس پر کوئی شدید وعید نہ بیان کی ہو، مثلاً بغیر عذر کے بائیں ہاتھ سے کھانا، بڑوں کی بے ادبی کرنا، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے کیوں کہ خالق و مالک کی نافرمانی بہر حال بہت بری شئ ہے، یہ نہ دیکھا جائے کہ کبیرہ ہے یا صغیرہ، بلکہ یہ دیکھو کہ نافرمانی کس کی کر رہے ہو۔

گناہ میں مبتلا ہونے کے اسباب:

انسان اس دنیا میں آزمائش اور امتحان کی غرض سے پیدا کیا گیا، یہ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے، اصلی ٹھکانہ آخرت ہے، اس لیے اللہ نے خیر اور شر کو پیدا کیا، انسان کو چاہیے کہ وہ خیر کو اختیار کرے اور شر سے اجتناب برتے۔

انسان کے گناہ میں مبتلا ہونے کے چند اسباب ہیں:

(۱) سب سے پہلا سبب مقصدِ تخلیق اور انجام سے غفلت ہے، اللہ نے انسان کو محض اپنی عبادت کی غرض سے پیدا کیا، لہٰذا اصل مقصد عبادت ہے اور دیگر تمام چیزیں ضرورت کے قبیل سے ہیں، مثلاً: کھانا، پینا، سونا وغیرہ اور کچھ چیزیں اللہ تعالیٰ ابتلاء اور آزمائش کے لیے بنائی ہے، جیسے مال، اولاد، عورت وغیرہ، اور انسان کو قوتِ شہوانیہ اور عقلیہ دونوں دی تاکہ معلوم ہو کہ وہ شہوانیت سے اجتناب کرتا ہے یا نہیں، وحی کی روشنی میں زندگی گزارتا ہے یا نہیں، لہٰذا ہمیں خواہشات پر قابو پاکر زندگی گزارنی چاہیے، اور یہ بات بھی یاد رہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ مرنے کے بعد کچھ نہ ہوگا اس لیے بھی وہ گناہ کرنے سے باز نہیں رہتا، حالانکہ زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب یقینی ہے اور اس پر جزاء وسزا بھی قطعی ہے، اور برائی کا انجام برا ہے اور بھلائی کا انجام بھلا ہے، جب انسان انجام سے غافل ہوتا ہے تو گناہ پر آمادہ ہو جاتا ہے، اللہ انجامِ بد سے دارین میں ہماری حفاظت فرمائے۔

(۲) گناہ کرنے کا دوسرا سبب ضعفِ ایمانی ہے، جب اللہ کے قادر ہونے پر، قیامت کے دن پر، حساب پر، میزان پر، جنت اور جہنم کے برحق ہونے پر، عذابِ قبر کے حق ہونے پر، ایمان میں ضعف اور کمزوری آتی ہے، تو انسان گناہ پر آمادہ ہو جاتا ہے، اس کے لیے عقائد کی کتابوں کا پڑھنا اور عقائد کو مضبوط کرنا ضروری ہے۔

(۳) دنیا کی محبت: جب آدمی کسی چیز کا گرویدہ ہو جاتا ہے تو اندھا دُھن اسی کے پیچھے لگا رہتا ہے، عربی میں ضرب المثل مشہور ہے "حبک الشئ یعمی و یصم" کسی چیز کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے جب کسی پر دنیا مستولی ہو جاتی ہے تو وہ بغیر کسی انجام کی پرواہ کئے اس کے پیچھے لگا رہتا ہے۔

(۴) خواہشات کی پیروی: انسان کو اللہ نے دو چیزیں بغرض آزمائش عطا کی ہے، ایک عقل اور دوسری نفس:

پھر ان دونوں کے تعاون کے دو خارجی اسباب پیدا کئے وحی اور شیطان، وحی عقل کی رہنمائی کرتی ہے اور شیطان شہوانیت کو ہوا دیتا ہے، اب اگر انسان شہوانیت اور شیطان کے جال میں پھنس جاتا ہے تو گناہ پر گناہ کئے جاتا ہے، اللہ نفس اور شیطان سے ہمیں محفوظ رکھے۔

(۵) بعض لوگ گناہ پر گناہ کرتے ہیں اور پھر جب نصیحت اور موعظت کی جائے تو کہتے ہیں، کیا کریں، مقدر میں جیسا لکھا ہے ویسا ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ اسباب اختیاری ہیں، جب انسان برے اسباب اختیار کرتا ہے تو برائی پر آمادہ ہوتا ہے، اگر بندہ برائی سے بچنے کی کوشش کرے تو اللہ ضرور اسے بچا لیتے ہیں، ہم کوشش نہیں کرتے اور پھر تقدیر کا رونا روتے ہیں یہ عقیدۂ تقدیر کو اچھی طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوتا ہے، اللہ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین!

(۶) اللہ کی مغفرت کی امید بھی گناہ پر آمادہ کرتی ہے، مثلاً گناہ کرتے وقت انسان سوچتا ہے، ارے! اللہ تو غفور الرحیم ہے، ضرور معاف کر دے گا، مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ "عزیز ذوانتقام" بھی ہے اور "شدید العقاب" بھی، یعنی سخت پکڑ کرنے والا اور سخت سزا دینے والا ہے، لہٰذا مغفرت کی بیجا امید پر گناہ پر گناہ کرنا غلط ہے، کیونکہ اگر گناہ پر گناہ کرتا رہا اور اسی حالت میں موت آ گئی تو ایمان کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے، اللہ ایمان کے ساتھ موت عطا فرمائے۔

(۷) غصہ سے بے قابو ہو جانا بھی گناہ اور ظلم پر آمادہ کرتا ہے، غصہ میں کبھی کسی کو قتل کر دیتا ہے، کبھی کسی کے ہاتھ پاؤں موڑ دیتا ہے وغیرہ، لہٰذا غصہ آئے تو اس صورت میں صبر سے کام لے۔

(۸) خواہشات کی پیروی بھی گناہ کے رئیسی اسباب میں سے ہے، شہوانیت کی وجہ سے کبھی بوس و کنار اور کبھی زنا اور ناچ گانے پر اتر آنا، لہٰذا ایسی حالت میں استغفار اور تعوذ کا ورد شروع کر دینا چاہیے تاکہ شہوانی قوت پست ہو جائے یا ٹھنڈی ہو جائے۔

(۹) علم دین سے ناواقفیت بھی گناہ کا سبب ہے، کیونکہ حلال و حرام کی تمیز نہیں، گناہ اور نیکی کا علم نہیں، حرام کو حلال سمجھ کر اور گناہ کو نیکی سمجھ کر کرتا ہے لہٰذا دین کی بنیادی معلومات حاصل کرنی چاہیے۔

(۱۰) کبھی آدمی سے بہت زیادہ گناہ ہو جاتے ہیں تو وہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جاتا ہے اور پھر گناہ پر جری ہو جاتا ہے، حالانکہ مؤمن کو اللہ کی رحمت سے ناامید ہونے کی ضرورت نہیں کتنا بڑا گناہ ہو، خواہ کتنی ہی مرتبہ کیوں نہ ہو، یاد آنے پر فوراً استغفار اور توبہ کرے۔

(۱۱) محبوب العلماء والصلحاء پیر ذوالفقار نقشبندی فرماتے ہیں: آدمی چار وجوہات کی بناء پر گناہ کرتا ہے:

[۱] وہ یہ سمجھتا ہے کہ گناہ کرتے وقت اسے کوئی نہیں دیکھتا، حالانکہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے "ان ربک لبالمرصاد" تیرا پروردگار تیری گھات میں ہے یعنی ایک لمحہ، ایک سیکنڈ کے لیے بھی تجھ سے غافل نہیں۔ (سورۂ فجر: ۱۴)

[۲] گناہ کرتے وقت یہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس کوئی نہیں حالانکہ قرآن میں ارشاد باری ہے "وھو معکم أینما کنتم" تم جہاں کہیں رہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

[۳] کبھی انسان گناہ اس لیے کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ میری ان حرکتوں کا کسی کو علم نہیں، قرآن نے کہا" یعلم خائنة الأعین وما تخفی الصدور" وہ تمہاری نظر کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور تم دل میں جو کچھ چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے۔ (سورۂ مؤمن: ۱۹)

[۴] گناہ کرتے وقت انسان یہ سمجھتا ہے کہ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے؛ قرآن نے کہا "إن اخذہ ألیم شدید" اللہ کی گرفت انتہائی دردناک ہے۔ (سورۂ ہود: ۱۰۲)

یہ چند اسباب بیان کیے گئے جو انسان کو معاصی پر آمادہ کرتے ہیں، اب آیئے گناہ کے نقصانات پر ایک نظر ڈالیں:

حکیم الامت مجدد ملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اس وقت جو حالات ہمارے ہیں مثلاً طاعت میں سستی اور معاصی میں انہماک و جرأت، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اعمال حسنہ اور سیئہ یعنی نیکی اور گناہ کی جزاء و سزا صرف آخرت میں ہوگی، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی (اور برزخ میں بھی) اور آخرت میں بھی (تینوں ٹھکانوں میں) اس کی سزا و جزاء بھگتنی ہوتی ہے، تو آیئے قرآن و حدیث اور ملفوظاتِ محققین کے ذریعہ یہ جاننے کی کوشش کریں کہ گناہ کی سزا دنیا میں ہوتی ہے۔

دنیا میں گناہ کی سزا پر قرآن سے دلائل:

قرآن کریم نے نویں پارے میں کہا "فلما عتو عن مّا نھوا عنه قلنا لھم کونوا قردةً خاسئین" پھر جب انہوں نے سرکشی اختیار کی اس چیز سے جس سے انہیں روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا ذلیل بندر بن جاؤ۔ (سورۂ اعراف: ۱۶۶)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ بنو اسرائیل کی اس جماعت کو گناہ کرنے کی وجہ سے دنیا میں سزا مل گئی۔

ایک مقام پر فرمان الٰہی: "فعصوا رسول ربھم فأخذھم" انہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی، تو اللہ نے ان کی گرفت کی۔ (سورۂ حاقہ: ۱۰)

"فکذبوھما فکانوا من المھلکین" انہوں نے موسیٰ اور ہارون کو جھٹلایا تو وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے۔ (سورۂ مؤمنون: ۴۸)

یہ اور اس جیسی بے شمار آیاتِ قرآنیہ اس پر دلیل ہے کہ گناہ کی سزا

دنیا میں بھی ہوئی، صرف یہی نہیں بلکہ شیطان اور امم سابقہ جو گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے مختلف طریقوں سے ہلاک کی گئیں کیونکہ اس گناہ کی وجہ سے ابلیس لعین کو کس چیز نے راندۂ درگاہ کیا، گناہ کی وجہ سے معلون ہوا، باطن تباہ و برباد ہوگیا، بجائے رحمت کے لعنت کا مستحق ہوا، تسبیح اور تقدیس کی جگہ کفر، شرک جھوٹ اور فحش انعام میں ملا یہ گناہ تھے جنہوں نے قوم نوح علیہ السلام کو طوفان میں غرق کردیا، اسی گناہ کی وجہ سے قوم عاد تندو تیز ہوا سے ہلاک کردی گئی، یہی وہ گناہ ہے جس قومِ ثمود کو چیخ کی آواز سے ہلاک کردیا گیا، وہ کونسی چیز تھی جس کی وجہ سے قوم لوط کی بستیوں کو آسمان تک لے جا کرالٹ دیا گیا، قومِ شعیب، قومِ فرعون وقارون وغیرہ اقوام کی بربادی اور ہلاکت کا سبب محض گناہ کے اور کیا تھا؟۔

معلوم ہوا گناہ کی سزا انسان کو دنیا میں بھی بھگتنی پڑتی ہے اور آخرت میں بھی، بلکہ قبر میں بھی مبتلائے عذاب ہونا ہوگا۔

دنیا میں گناہ کی سزار پر احادیث رسولؐ سے دلائل:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے: پانچ چیزوں سے میں پناہ مانگتا ہوں تم بھی اس سے پناہ مانگو۔

(۱) جب کسی قوم میں بے حیائی عام ہوئی ہے تو طاعون اور طرح طرح کی بیماریاں ان میں پھیل جاتی ہیں، جو اس سے پہلے کبھی نہیں تھیں۔

(۲) جب ناپ تول میں کمی ہوتی ہے تو وہ قوم قحط اور تنگی کے ساتھ ظالم حکمرانوں کے تسلط میں مبتلا ہوگی۔

(۳) جو قوم زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرے گی اس پر بارش کم کردی جائے گی۔

(۴) جو لوگ عہد شکنی کریں گے تو اللہ غیر قوم کو ان پر مسلط کردیں گے۔

(۵) جو قوم شراب پینے اور موسیقی ومیوزک سننے میں مبتلا ہوگی تو ان پر زلزلے آئیں گے۔

یہ اور اس طرح کی بے شمار احادیث دنیا میں گناہ کی سزا اور نقصانات پر دلالت کرتی ہیں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ عام طور پر جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ اور برائی کی سزا دنیا میں نہیں ہوتی، آخرت میں ہوتی ہے غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ دنیا میں بھی اس کی سزا ہوتی ہے، آج ہمارے معاشرے میں بے حیائی عام ہے تو کیا طرح طرح کی نئی نئی بیماریاں عام نہیں ہورہی ہیں؟ آج ہمارے معاشرے میں ناپ تول میں کمی ہورہی ہے تو کیا ظالم حکمراں ہم پر مسلط نہیں؟ آج ہمارے معاشرے میں زکوٰۃ دینے کا اہتمام نہیں تو کیا بارش کی قلت نہیں ہے؟ آج ہم لوگ وعدے پر وعدے کی مخالفت کرتے ہیں تو کیا اغیار کو ہم پر مسلط نہیں کردیا گیا؟۔

تعجب ہے پوری روئے زمین پر کہ کہیں بھی قرآن اور حدیث سے مأخوذ دستور پر مکمل عمل نہیں ہورہا ہے، اور ہمارے تمام حکمران غیروں کے دست نگر ہیں، شراب اور میوزک عام ہونے کی وجہ سے آئے دن زلزلے پر زلزلے آتے رہتے ہیں، اخیری چند سالوں میں وقفے وقفے سے دنیا کے مختلف خطوں میں بھیانک زلزلے آتے رہتے ہیں اور ہلاکت خیز تباہی مچاتے رہتے ہیں، یہ سب کیا ہے؟ احادیث کی وعیدوں کی جیتی جاگتی صداقت کی مثالیں ہیں۔

مگر افسوس کے ہمارا معاشرہ پھر بھی اس بات کو سنجیدگی سے لینے کے لیے تیار نہیں بلکہ وہ عذاب الٰہی کو عذاب ہی نہیں تصور کرتا اور الٹے اس کے سائنسی اسباب تلاش کرکر ان اسباب کے ذریعہ عذابِ الٰہی کو روکنے کی کوشش کرتا ہے، یہ کتنی بڑی حماقت ہے، کیا عذابِ الٰہی کو بھی کوئی روک سکتا ہے؟ زلزلے کے اسباب کو معلوم کرنے کے بعد بھی وہ کسی زلزلے کو پچاس سال میں روک سکے، نہ روک سکیں گے، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ روحانی اسباب کو تلاش کرکے ان پر توجہ دی جائے اور وہ اسباب ہیں اللہ کی نافرمانیاں اور گناہ، اللہ ہمیں حق بات سمجھنے کی توفیق دے اور دنیا وبرزخ، اور آخرت میں اپنی ہر طرح کی

گرفت اور عذاب سے محفوظ رکھے۔ آمین!

گناہ کے دنیوی نقصانات اور سزائیں:

(۱) گناہوں کی کثرت سے علم کا نور سلب ہو جاتا ہے۔

امام مالکؒ نے امام شافعیؒ سے کہا کہ میں تمہارے قلب میں نور محسوس کر رہا ہوں، کہیں گناہ کرکے تم اسے ضائع نہ کردینا، ارشاد خداوندی ہے:"واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون"۔(سورۂ آل عمران:۲۰۰) جب تقویٰ آئے گا (یعنی گناہوں سے بچنا) تب علم کا نور حاصل ہوگا۔

(۲) رزق کم ہو جاتا ہے یا بڑی ذہنی و بدنی کلفت کے بعد رزق حاصل ہوتا ہے، حدیث میں ہے:"و إن الرجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبہ"۔(ابن ماجہ)

آدمی گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے"وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْد" اور اگر تم کفر کروگے یا ناشکری کروگے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔(سورۂ ابراہیم:۷)

اگر گناہ کے بعد رزق میں تنگی نہ آئے تو یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے، اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔

(۳) تصرف الٰہی سے محرومی: گناہ کے سبب اللہ کی مدد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، ارشادِ ایزدی ہے"یایھاالذین آمنوا إن تنصروا اللّٰہ ینصرکم" اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد یعنی اطاعت کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔(سورۂ محمد:۷)

معلوم ہوا کہ اطاعت کی صورت میں نصرت آتی ہے اور گناہ کرنے کی صورت میں مدد نہیں آتی۔

(۴) ذلت سے دوچار ہونا: گناہ کرنے سے انسان کی وقعت ختم ہو جاتی ہے یا گھٹ جاتی ہے، ارشادِ الٰہی ہے:"ضربت علیھم الذلۃ" (گناہ کے سبب) ان پر ذلت تھونپ دی گئی۔(سورۂ آل عمران:۱۱۲)

معلوم ہوا کہ گناہ سے ذلت و خواری کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔

(۵) دنیا میں امن وامان کا ختم ہو جانا: گناہ کی نحوست سے ملک کا امن وامان غارت ہو کر رہ جاتا ہے، اللہ کا ارشاد ہے:"ظھر الفساد فی البر و البحر بما کسبت أیدی الناس" خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا، لوگوں کے (برے) کرتوتوں کے سبب، یعنی گناہ کی وجہ سے۔(سورۂ روم:۴۱)

کیا آج ہم نہیں دیکھ رہے ہیں کہ کوئی خطۂ ارض امن سے معمور نہیں، قتل وغارت گیری، چوری ڈکیتی ایک عام سی بات ہوگئی، روزانہ ہزاروں لوگ بے قصور مارے جارہے ہیں؛ بظاہر یہ قصور ہے لیکن حقیقت میں یہ اللہ کی نافرمانی کی اجتماعی سزا ہے، جسے ہم سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔

ایمان سے محرومی:

جب انسان گناہ کا عادی ہو جاتا ہے اور گناہ پر نڈر ہو جاتا ہے تو روحانی طور پر اس پر مردنی چھا جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ ایمان جیسی قیمتی نعمت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے جو بہت بڑا خسارہ ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا۔

حدیث میں ہے"لایزنی الزانی حین یزنی و ھو مؤمن"یعنی زنا کرنے والا زنا کرتے وقت ایمان سے ہاتھ دھو دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ گناہ سے ایمان بھی ضائع ہو سکتا ہے، اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ صغائر پر مداومت انسان کو کبائر تک پہنچاتی ہے اور کبائر پر مداومت کفر تک پہنچا کر چھوڑ دیتی ہے۔

کثرتِ گناہ توفیقِ خیر سے محرومی کا سبب:

گناہ کرتے رہنے سے آدمی اعمال صالحہ کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے، اللہ کا فرمان ہے"وما توفیقی إلا باللّٰہ" توفیق تو اللہ ہی دیتا ہے۔(سورۂ ہود:۸۸)

اور اللہ توفیق کب دیتا ہے جب بندے سے خوش ہوتا ہے اور خوش کب ہوتا ہے، جب بندہ نیکی کرتا ہے، لہٰذا جب بندہ گناہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اور جب اللہ ناراض ہوں گے رحم نہ کریں گے اور جب رحم نہیں کریں گے، تو توفیق نہیں دیں گے۔

وحدت سے محرومی:

گناہ کے سبب مسلم معاشرے سے وحدت اور اتفاق کے بادل چھٹ جاتے ہیں، اور آپس میں خلفشار برپا ہوجاتا ہے، ارشادِ الٰہی ہے "واطیعوا اللّٰہ و رسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا" اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو اور آپس میں تنازع مت کرو، ورنہ پھنس جاؤ گے۔ (سورۂ انفال:۴۶)

معلوم ہوا کہ گناہ کرنے سے انتشار پیدا ہوتا ہے اور امت متحد نہیں ہو پاتی۔

گناہ کی نحوست راہ حق سے محرومی:

گناہ کے کرنے سے آدمی ہدایت اور صراطِ مستقیم سے محروم ہوجاتا ہے، "بدعت" کو "سنت" اور "ضلالت" کو "ہدایت" سمجھتا ہے جو بہت بڑی محرومی ہے۔

گناہ سے قلب پر تاریکی:

گناہ کرنے سے قلب پر ظلمت اور تاریکی چھاجاتی ہے پھر وہ برائی کو اچھائی سمجھ کر کرتا ہے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: بدی کرنے سے چہرہ بے رونق ہوجاتا ہے، قبر اور قلب میں ظلمت چھاجاتی ہے، بدن میں سستی آجاتی ہے۔

گناہ کے سبب عمر میں کمی:

گناہ کرنے سے انسان سے برکت ختم ہوجاتی ہے۔

حدیث میں ہے: "نیکی سے عمر میں برکت ہوتی ہے" تو اس سے معلوم ہوا کہ بدی اور گناہ سے عمر میں برکت ختم ہوجاتی ہے۔

گناہ سے ارادۂ توبہ کمزور ہوجاتا ہے اور مرنے کے وقت بغیر توبہ کے چلا جاتا ہے۔

گناہ اور عقل کا فتور:

گناہ کرنے سے عقل میں فتور واقع ہوجاتا ہے اور بھلی بات اس کو سمجھ میں نہیں آتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ گناہ بہرحال انسان کے لیے دنیا اور آخرت میں سم قاتل ہے اور زہر ہلاہل ہے، دنیا میں بھی سزا بھگتنی ہوگی اور آخرت میں بھی، پیر ذوالفقار نقشبندی فرماتے ہیں کہ قرآن کا اعلان ہے: "وذروا ظاهر الإثم و باطنه" ظاہری و باطنی گناہوں کو چھوڑ دو"۔ (سورۂ انعام:۱۲۱)

گناہ شروع میں مکڑی کی جال کی طرح ہوتا ہے، مگر توجہ نہ دینے کی صورت میں جہاز کے لنگر کی صورت اختیار کرجاتا ہے، پھر اس سے دامن چھڑانا مشکل ہوجاتا ہے۔

آخرت میں گناہوں کی سزا:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: کتاب وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کے علاوہ دو عالم اور ہیں:

(۱) برزخ (۲) آخرت۔

جب آدمی کوئی عمل کرتا ہے تو فوراً آخرت میں منعکس ہوجاتا ہے، اس وجود پر کچھ آثار بھی مرتب ہوتے ہیں اس عالم کو عالم قبر اور عالم برزخ کہتے ہیں، پھر ان ہی اعمال کا ایک وقت کامل ظہور ہوگا، جس کو یوم حشر ونشر یعنی لوگوں کے جمع ہونے، اعمال نامہ کے ظاہر ہونے کا دن کہتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ ہر عمل کے وجودی مراتب تین ہیں:

(۱) صدور (۲) ظہور (۳) مثالی

جب آدمی کوئی بات یا عمل کرتا ہے تو اس کے تین مراتب ہوتے ہیں ایک مرتبہ اس کا منہ یا بدن سے صادر ہونا، دوسرا مرتبہ اس کا ٹیپ یا کیمرے میں بند ہونا اور تیسرا مرتبہ جب آدمی اس کی آواز کو سننا چاہے، یا دیکھنا چاہے تو اسے بعینہ دیکھ لے۔

بس اب اسی پر قیاس کریں دنیا میں عمل صادر ہوتا ہے، عالمِ برزخ میں ریکارڈ ہوتا ہے اور یوم الحشر کے دن سب ظاہر ہوجائے گا۔

اب جب یہ ثابت ہوگیا تو اسے کوئی عاقل اور ذی شعور اپنے کرتوت کے ریکارڈ کو سننے یا دیکھنے کے بعد انکار نہیں کرسکتا، بالکل قیامت کے روز بھی ایسا ہی ہوگا، لہٰذا جس طرح آدمی ریکارڈر کے سامنے ہونے کی صورت میں بچ بچکر بات کرتا ہے اور کوئی کام کرتا ہے کہ کہیں کوئی غلط چیز ریکارڈ نہ ہوجائے، انسان کو بھی اسی طرح زندگی

گذارنی چاہیے اور جان لینا چاہیے کہ یقینی طور پر اس کی زندگی کہ ہر لمحہ کو پوری باریکی کے ساتھ قید کیا جارہا ہے، قرآن میں ارشاد الٰہی ہے :"مایلفظ من قول إلا لدیه رقیب عتید" (سورۂ ق:۱۸) انسان جو بات بھی اپنے منہ سے ادا کرتا ہے تو ایک ریکاڈر برابر اسے ریکارڈ کررہا ہے، ایک اور جگہ پر ہے:"یوم تجد کل نفس ماعملت من خیر محضرًا و ماعملت من سوء" جس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے کو اپنی نظروں کے سامنے پائے گا چاہے وہ اچھائی ہو یا برائی۔ (سورۂ آل عمران:۳۰)

ذرا ہم ان آیتوں پر غور کریں قرآن کیسی تنبیہ کو بیان کررہا ہے، اللہ ہمیں اس کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بعض گناہوں کے مماثل سزاؤں کو بھی قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً زکوۃ نہ دینے پر وہ مال سانپ کی شکل میں اس کے گلے کا طوق ہوگا:"سیطوقو ن مابخلوا به یوم القیامة"۔ (سورۂ آلِ عمران:۱۸۰) جھوٹ بولنے والے کے چہرے کالے ہوجائیں گے، جو قرآن کا علم حاصل کرکے اس پر عمل نہ کرے گا اس کا سر بار بار پتھر سے کچلا جائے گا، معلوم ہوا کہ د،نیا برزخ اور آخرت میں تینوں جگہ انسان کو اس کے گناہوں کی سزا دی جاتی ہے۔

کیا آپ گناہ ترک کرنا چاھتے ھیں؟

مجدد ملت حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ چھ گناہ ایسے ہی جو تمام گناہوں کے لیے جڑ اور اصل کے مانند ہیں، اگر ان سے پرہیز کیا جائے تو انشاء اللہ انسان دوسرے بے شمار گناہوں سے خود بخود محفوظ ہوجائے گا۔ وہ یہ ہیں:

(۱) غیبت: بے شمار گناہ اس سے جنم لیتے ہیں؛ اس سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ بلاضرورت نہ کسی کا تذکرہ کرے نہ سنے، نہ اچھا نہ برا، بلکہ اپنے ضروری کاموں میں مشغول رہے انشاء اللہ بے شمار گناہوں سے محفوظ ہوجاؤں گے، اسی لیے حدیث میں بھی اس کی سخت وعید وارد ہوئی، حدیث میں ہے: "لا یدخل الجنة قتات" چغل خور جنت میں نہ جائے گا۔

(۲) ظلم سے اجتناب خواہ مالی ہو یا جانی ہو یا زبانی مثلاً کسی کا حق مارنا کسی کو تکلیف پہنچانا، کسی کی بے عزتی کرنا وغیرہ۔

(۳) اپنے آپ کو بڑا سمجھنے سے اجتناب کرے اور دوسروں کو حقیر گرداننے سے بھی بچتے رہیں، بلکہ اپنے آپ کو حقیر اور دوسروں کو بڑا سمجھے، بے شمار گناہوں سے حفاظت ہوجائے گی۔

(۴) غصہ سے بچتے رہیں اور اگر غصہ آجائے تو صبر سے کام لیں، کبھی غصہ کی حالت میں آدمی ایسا کام کر بیٹھتا ہے کہ زندگی بھر اس پر افسوس کرنا پڑتا ہے مگر اس کا کوئی حل نہیں نکلتا۔

(۵) غیر محرم عورت یا مرد سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھے، نہ اسے دیکھے، نہ اس سے دل خوش کرنے کے لیے ہم کلام ہو، نہ تنہائی میں اس کے ساتھ بیٹھے، نہ اسے خوش کرنے کے لیے اس کی پسند کے موافق وضع قطع یا کلام کو آراستہ کرے، اس تعلق سے جو خرابیاں پیدا ہوں گی وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

(۶) مشتبہ اور حرام مال سے کلی اجتناب برتے، بے شمار نفسانی وروحانی بیماریاں اس سے جنم لیتی ہیں، کیوں کہ غذاء سے عضو بنتا ہے اور عضو سے اعمال سرزد ہوتے ہیں، لہٰذا جیسی غذاء ہوگی اور جیسی کمائی ہوگی ویسے اعمال ہوں گے۔

حضرت تھانویؒ اخیر میں فرماتے ہیں یہ چھ ۶/ معاصی ہیں جن سے اکثر معاصی پیدا ہوتے ہیں، ان کو چھوڑنے سے انشاء اللہ دوسرے معاصی اور گناہوں کا چھوڑنا سہل اور آسان ہوجائے گا، بلکہ امید ہے کہ خود بخود متروک ہوجائیں گے۔ (مستفاد: جزاء الاعمال مع ترمیم واضافہ)

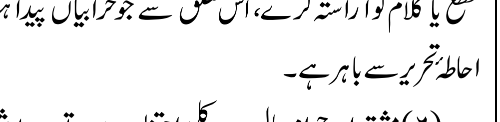

غور وفکر

قسط اول

باتیں صلیبی کمانڈر لوئس نہم کی

مولانا فتح محمد ندوی

لوئس نہم نے صلیبی جنگوں میں مسلمانوں سے شکست کھانے کے بعد اپنی قوم کو ایک وصیت کی تھی ''تم مسلمانوں کو جنگی ساز وسامان اور کثرت تعداد کے باوجود میدان جنگ میں شکست نہیں دے سکتے، ہم نے ۹؍مرتبہ میدان جنگ میں ان سے زور آزمائی کی ہے، لیکن ہر مرتبہ ہمیں شکست اور ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا، اس لیے اگر تم مسلمانوں پر غلبہ اور اس دنیا کے سیاسی نظام پر تصرف اور بالا دستی چاہتے ہو، تو جنگ کے علاوہ تمہیں دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا، وہ راستہ یہ ہے کہ پہلے مسلمانوں کے ایمان اور عقیدہ توحید کو کمزور کیا جائے اور اس کے لیے بڑی تگ ودو اور جد وجہد کی ضرورت ہے، اس کے بعد مسلم حکومتوں کو آپس میں لڑایا جائے، ان کے درمیان میں انتشار پیدا کیا جائے، جس سے وہ آپس ہی میں اپنی طاقت وقوت کھو بیٹھیں''۔

مغربی استعمار کو لوئس نہم کے اس نظریے میں اپنا وہ گوہر مقصود نظر آرہا تھا بلکہ سامنے تھا جس کی وہ صدیوں سے آس لگائے بیٹھے تھے، ان کی اصل خواہش یہی تھی کہ کسی بھی طرح سے دنیا کی سیاسی باگ ڈور ہمارے ہاتھوں میں آجائے، ہوا یہی کہ انہوں نے لوئس نہم کے اس نظریے کو اپنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے نقشے سے مسلم حکومتوں کا وجود ختم کردیا اور دنیا کے سیاسی نظام کو اپنے تصرف میں کر کے آسانی سے اپنے مقصد کی تکمیل کی، اور ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ آج بھی مغربی سامراج لوئس نہم کے اس نظریے پر عمل پیرا ہیں۔

ویسے مجموعی طور پر یہ سلسلہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں ہی شروع ہوگیا تھا، کیونکہ جب اسلام مدنی معاشرہ میں ترقی کی شاہراہ پر رواں دواں تھا، اسی وقت سے اسلام دشمن طاقتوں نے اسلام کی ترقی سے خوف محسوس کیا، اور مسلم نما یہودی عبداللہ بن ابی منافق کو اس بات کے لیے تیار کرلیا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں انتشار پیدا کریں، عبداللہ بن ابی اس شرط پر آمادہ ہوا کہ یہودی اس کو اپنا رہنما تسلیم کریں، یہودیوں کیلئے یہ بات مشکل نہ تھی، اور وہ اپنے مذموم مقصد کی تکمیل کیلئے اس پر تیار ہوگئے اور عبداللہ بن ابی کو اپنا نام نہاد قائد منتخب کرلیا، جبکہ یہ ان کی فطرت اور عادت کے خلاف تھا، لیکن پھر بھی اسلام اور مسلمانوں کو نیچا دکھانے کیلئے یہ حرکت کی، بہرحال اس خباثت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب اسلام اپنے ابتدائی مرحلوں سے گذر رہا تھا، تو دشمنوں کے سینے حسد سے بھر گئے، اور بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی، جس کے نتیجہ میں عبداللہ بن ابی کو اپنا سردار منتخب کر کے اسلام اور مسلمانوں کے لیے آستین کے سانپوں کا ایک نہ ختم ہونے والا وجود پیدا کردیا، یہی وجہ ہے کہ آج تک یہ سلسلہ جاری و ساری ہے، صدیاں گذر گئی لیکن آستین کے سانپوں کا یہ سلسلہ ہر دور اور ہر زمانے میں دیمک کی طرح مسلم سماج اور مسلم امہ کو چاٹتا رہا، اور اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام کو جتنا نقصان اپنوں سے پہنچا ہے شاید وہ اغیار سے بھی نہ پہنچا ہو، لیکن افسوس کی بات یہ ہے، کہ دنیا نے اور خاص طور سے اسلامی ممالک نے ہر دور میں ان مسلم نما یہودیوں کو سمجھنے میں اتنی سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کیوں کیا؟ اور مزید افسوس یہ ہے کہ دنیا اور خاص طور سے مسلم ممالک کی قیادت و سیادت آج بھی انہی کے ہاتھوں میں ہے۔

دراصل اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی قوم کی بقا اور اسکے استحکام کی تشکیل کے لیے قوت فیصلہ، خود اعتمادی، اور حق گوئی اشد

ضروری ہے، بلکہ قوموں کی زندگی میں یہ چیزیں اپنی جگہ بڑی حیثیت کی حامل ہیں، گویا ان کے بغیر معاصر دنیا میں قوموں کے وجود کا تصور بے معنی ہے، لیکن اصل سوال یہ ہے کہ قوموں کے اندر یہ جو ہر کیسے پیدا ہوتے ہیں، پھر ان جو ہر سے قومیں کیسے بہرہ ور ہو سکتی ہیں تاکہ معاصر دنیا میں عزت و وقار کی زندگی گزار سکیں؛ کیونکہ گذشتہ کچھ صدیوں میں مسلمانوں کے اندر اور خاص طور سے مسلم حکمرانوں میں ان تمام مذکورہ چیزوں کی کمی دیکھنے کو ملی، جس کا بنیادی سبب اور نقصان یہ ہوا کہ مسلم حکومتیں دنیا کے نقشے سے غائب ہو گئی، اس کے برعکس جب تک مسلم سربراہوں کے اندر جرأت گفتار تھی تو دشمن کو ان کے اقتدار میں پر مارنے کی اجازت نہیں تھی؛ لیکن جب سے خود اعتمادی کی جگہ بزدلی اور قوت فیصلے کی جگہ بے جا مصلحت نے لے لی ہے اسی وقت سے زوال کا یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور حد یہ ہے کہ امید کی کوئی کرن کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

اسی مذکورہ پس منظر میں وہ مسلم حکومتیں جو دنیا کے اکثر حصے کی مالک تھی، جن کے شاہوں کے رعب اور دبدبے کا چرچا دنیا کے دوسرے بادشاہوں کی نیندیں حرام کر دیا کرتا تھا، اور مسلم دنیا کی یہ تمام صورت حال اس وقت تک رہی، جب مسلم حکمراں رات کو نالہ نیم شبی اور دن کو خدمت خلق میں گذارتے تھے، راحت و آرام جن کے لیے شجر ممنوعہ تھی، اس کے ساتھ ساتھ مساوات کا یہ عالم کہ ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز؛ لیکن جب زوال آیا، اور وہ تمام جو ہر ختم ہو گئے، تو پھر انہی حکومتوں کے سربراہوں نے اپنے ہاتھوں سے یہ ملک غیروں کے حوالے کر دئے، حتی کہ دشمن کو ہاتھ پاؤں مارنے تک کی بھی نوبت تک نہیں آئی، اندلس کی تاریخ اپنی اسلامی عظمت کے لیے گواہ ہے، مخالفین نے اندلس کی جب یہ شان و شوکت دیکھی تو وہاں کے فرمانرواں عبدالرحمٰن سے تعلق قائم کیے، اس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے پورا ملک جھگڑوں اور نہ ختم ہونے والے ہنگاموں کی نذر ہو گیا، ہر طرف بغاوتیں پھیل گئیں، ملک خانہ جنگی میں چلا گیا، بھائی بھائی کا دشمن، دوست اپنے دوست سے بیزار، شاہی خاندان کے لوگ آپس میں دست و گریباں، غرض ہر طرف ایک ہو کا عالم تھا، دشمن اس پل کے انتظار میں تھا، موقع ہاتھ آیا، تو پورے اندلس کو اپنے قبضے میں لے لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کا اختتام اس انداز سے ہوا کہ آج وہاں مسلمانوں کا نام و نشان باقی نہیں، اسی طرح مصر اور یمن کو لڑایا جس میں لاکھوں بے گناہ لوگ آپس میں مارے گئے، مصر اور یمن کی اس خانہ جنگی پر مفکر اسلام مولانا علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں، اس بے مقصد اور بلا وجہ کی جنگ میں جو مصر کی طرف سے لڑی گئی، دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے، مصریوں نے اس جنگ میں ظلم اور بربریت کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے، جنگ کے زمانے میں جو لوگ پناہ لینے کے لیے غاروں میں چھپے ہوئے تھے، ان پر زہریلی گیس چھوڑی جاتی تھی، پھر سوڈان کو جو محمد علی پاشا کے زمانے میں مصر ہی کا ایک حصہ تھا، بڑی چالاکی سے مصر سے الگ کرایا، اس کے نتیجے میں بہت سی جانیں گئی، خون خرابہ ہوا، لوگ گھر سے بے گھر ہوئے، ترکی جو اسلامی تاریخ کی ایک ایسی سلطنت تھی جس کا حصہ دنیا کے چاروں کونوں کو گھیرے ہوئے تھا اندرونی دشمنوں نے اس کو پہلے چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹا، جب اس پر بھی اپنے ارادوں کی تکمیل نہ ہوئی، تو عرب حکمرانوں کو قومیت کے نعرے پر ابھارا اور بالآخر ترکی کی عظیم سلطنت کا خاتمہ، ایک ایسے شخص کے ہاتھوں سے ہوا جس کی تربیت کے تمام سامان اہل مغرب نے اپنے آغوش میں کئے تھے؛ کیونکہ اس سے اتنا بڑا کام لینا تھا جس سے مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ کا ایک ایسا باب ختم کرنا تھا جو ان کے عالمی اتحاد اور اسی طرح عالمی امت کی علامت تھی یعنی خلافت جو ۱۹۲۲ء میں ترکی میں اتاترک مصطفی کمال پاشا کے ہاتھوں سے ختم ہوئی۔ (جاری)

❁❁❁❁❁

عظمت صحابہ

صحابہ کرام کی شان میں دریدہ دہنی کرنیوالا مستوجب لعنت ہے

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

صحابہ کرام کی شان میں زبان درازی کرنا انہیں شب وشتم کا نشانہ بنانا، ان پر طعن وتشنیع کرنا یا ان کی عزت گرامی پر بٹہ لگانا ایسا انسانی اخلاقی اور شرعی جرم ہے جو ہر زمانے میں مسلمانوں کے نزدیک نا قابل برداشت ونا قابل معافی تصور کیا گیا ہے، اگر انسان علم وآگہی، معقولیت وحقیقت پسندی اور تعمیری بحث وتحقیق کا میدان چھوڑ کر سب وشتم اور ہوا وہوس پر اتر آئے، تو گویا وہ اپنے دین وایمان کو خطرہ میں ڈالتا ہے، لہٰذا کوئی بھی ایسا شخص جو اپنے کو مسلمان ہونے کا دعوی کرتا ہے، اس کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ وہ اپنے کو ان نفوس قدسیہ کے معاملات ومشاجرات کا حاکم بنا بیٹھے اوران کے دامن عزوشرف کو داغدار کرنے لگے، ایسی غلط حرکتوں سے شریعت نے صاف وصریح لفظوں میں روک لگادی ہے، سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ! اللہ! میرے صحابہ سے بچو، میرے بعد انہیں طعن وتشنیع کا نشانہ مت بنا دینا، جس نے ان سے محبت کی اس نے (گویا) مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے محبت کی، جس نے ان سے بغض رکھا (گویا) مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا، جس نے ان کو تکلیف پہنچائی (گویا) اس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالی کو تکلیف پہنچائی، اور جس نے اللہ تعالی کو تکلیف پہنچائی، قریب ہے کہ وہ اس کی گرفت فرمالے۔ (ترمذی شریف)

صحابہ کرام کی اس قدر ومنزلت اور اپنائیت وقربت پر مسلمان غور کرے کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے مقام ومرتبہ پر لا بٹھایا ان کی ایذاء وتکلیف کو اپنی تکلیف قرار دیا اور ایذاء رسانیوں کی شناعت کو بتانے کے لئے ’’فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ‘‘ یعنی اس نے اللہ تعالی کو تکلیف پہنچائی۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میرے صحابہ کو گالی گلوچ نہ دینا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو میرے کسی صحابی کے ایک مد یا نصف مد سونا خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ (بخاری)

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتیں دیکھ جائیے اگر ان کا اطلاق آج کے مادیت زدہ مسلمانوں پر ہوسکتا ہے تو آخر ان پاک طینت نفوس پر کیوں نہ ہوگا جن کی شخصیت کی تعمیر ہی قرآن کریم کے اٹھان پر ہوئی تھی، جنھوں نے براہ راست قرآن کریم کو اس کے معلم اول صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا، جن کی عدالت وتقوی پر تاریخ کی سب سے بڑی سچائی گواہ ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(۱) ’’وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ‘‘۔ (سورۂ بقرہ)

اوراسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

یعنی جیسا تمہارا قبلہ کعبہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ اور تمام قبلوں سے افضل ہے، ایسا ہی ہم نے تم کو سب امتوں سے افضل اور تمہارے پیغمبر کو سب پیغمبروں سے کامل اور برگزیدہ کیا تاکہ اس افضلیت اور کمال کی وجہ سے تم تمام امتوں کے مقابلہ میں گواہ مقبول الشہادۃ قرار دئے جاؤ، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری عدالت

وصداقت کی گواہی دیں۔

(۱)"کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ"۔(سورۂ آل عمران)

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں۔(ترجمہ شیخ الہند)

یعنی اے مسلمانو! خدا تعالی نے تم کو تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے کہ جس طرح نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہوں گے، آپ کی امت بھی جملہ امم واقوام پر گویا سبقت لے جائیگی کیونکہ اس کو سب سے اشرف واکمل پیغمبر نصیب ہوگا، ادوم واکمل شریعت ملے گی، علوم ومعارف کے دروازے اس پر کھول دیئے جائیں گے، ایمان وعمل وتقوی کی تمام شاخیں اس کی محنت اور قربانیوں سے سرسبز وشاداب ہوں گی، وہ کسی خاص قوم ونسب یا مخصوص ملک واقلیم میں محصور نہ ہوگی، بلکہ اس کا دائرہ عمل سارے عالم کو اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا، گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہوگا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے اور جہاں تک ممکن ہو انہیں جنت کے دروازوں پر لا کر کھڑا کردے۔

(۳)" مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ"۔(سورۂ فتح)

محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں۔(ترجمہ شیخ الہند)

(۴)والسّٰبِقون الاوّلون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه"۔(سورۂ توبہ)

اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنیوالے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے، نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے۔

ان آیتوں میں اس امت کے چند مندرجہ ذیل امتیازات سامنے آ گئے ہیں:

(۱) سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امت کو اعتدال و وسطیت کے مقام پر فائز کیا گیا ہے، جسے عدل وتوسط کی روش پر گامزن رہنا ہے۔

(۲) اس امت کو امامت کا منصب عطا کیا گیا تا کہ وہ بنی نوع انسان کی نگرانی ومحاسبہ کا فریضہ اپنی حق پسندی، عدل نوازی اور اپنی پیشوائی کا زندہ نمونہ بن کر انجام دے۔

(۳) دنیا کی ساری قوتوں کو معزول کر کے اب آخری بار اسے ''امامت عادلہ'' کے منصب پر بٹھایا گیا، اب اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ نیکی کو فروغ دے اور بدی کو دنیا سے نیست ونابود کردینے پر جی جان سے لگ جائے۔

(۴) رزم حق وباطل میں اس کی مثال فولاد اور پتھر کی چٹان کی سی ہے، لیکن حلقہ یاران میں وہ ریشم کی طرح نرم وشگفتہ اور ماما کی طرح سے شفیق ومہربان ہو جاتا ہے۔

(۵) سابقین اسلام (مہاجرین وانصار) کی افضلیت واہمیت دنیا کے تمام مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک مسلمہ حقیقت ہے اسی لئے ان کے ایمان واطاعت کے صلہ میں انہیں قبولیت کا پروانہ دیا گیا اور رضاء الٰہی کا مژدہ سنایا گیا۔

بتایئے تاریخ کے کس دور میں ان امتیازات وخصوصیات کا جلوہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی مسلم جماعت یا مسلم سوسائٹی میں نمایاں ہوا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت کی تربیت یافتہ اس جماعت کی عدالت وامانت پر حرف گیری کرنے والا کاشانہ نبوت پر تیشہ زنی کرتا ہے، اب کون مسلمان ہے جس کا ضمیر گوارا کرسکتا ہے کہ وہ (سوائے پانچ یا زیادہ سے زیادہ بارہ کے علاوہ) ان سب کو سب وشتم کا نشانہ بنائے اور ان کے تقدس وعزت کو پامال کرنے کے لئے جامۂ انسانیت سے باہر ہوجائے۔

اسلامی جماعت کے ان نمائندوں اور قابل احترام شخصیتوں میں سے سب سے زیادہ جن کو ایک خاص طرز وفکر کے لوگوں نے اپنی دریدہ دہنی کا نشانہ بنایا ہے بلکہ ان پر طعن وتشنیع کو اپنے عقیدہ میں جگہ دی ہے،

ان میں سے حضرات شیخین خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان دونوں بزرگوں کی شان میں قرآن وسنت کی شہادت، اجماع امت عام مسلمانوں کے تعامل کو نظر انداز کر کے جس طرح ان کی عزت پر دھاوا بولا گیا ہے وہ ان ہی باطل فرقہ کا حصہ ہے، اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: "اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِىَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ"۔ (سورۂ توبہ)

اگر تم نہ مدد کروگے رسول کی، تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے اس پر تسکین ۔(ترجمہ حضرت شیخ الہند)

یعنی بالفرض اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کروگے نہ سہی ان کا منصور وکامیاب ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں ایک وقت پہلے ایسا آچکا ہے، جب ایک یار غار کے سوا کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا، معدودے چند مسلمان مکہ والوں کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت کر گئے تھے، آخر آپ کو بھی ہجرت کا حکم ہوا، مشرکین کا آخری مشورہ یہ قرار پایا تھا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک نوجوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر بیک وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلواروں کی ضرب لگائیں تاکہ خون بہا دینے پڑے، تو سب قبائل پر تقسیم ہو جائے، اور بنی ہاشم کی یہ ہمت نہ ہو کہ خون کے انتقام میں سارے عرب سے لڑائی مول لیں، جس شب میں اس ناپاک کارروائی کو عملی جامہ پہنانے کی تجویز تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علی کو لٹایا تاکہ لوگوں کی امانتیں احتیاط سے آپ کے بعد مالکوں کے حوالہ کردیں، اور حضرت علی کی تسلی فرمائی کہ تمہارا بال بیکا نہ ہوگا، پھر خود بہ نفس نفیس ظالموں کے ہجوم میں سے شاہت الوجوہ فرماتے ہوئے اور ان کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے صاف نکل آئے، حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لیا اور مکہ سے چند میل ہٹ کر غار ثور میں قیام فرمایا، یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مجوف چٹان ہے، جس میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا، صرف لیٹ کر داخل ہونا ممکن تھا، اول حضرت ابوبکر نے اندر جا کر اسے صاف کیا سب سوراخ کپڑے سے بند کئے کہ کوئی کیڑا کانٹا گزند نہ پہنچا سکے، ایک سوراخ باقی تھا اس میں اپنا پاؤں اڑا دیا، سب انتظام کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر تشریف لانے کو کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق کے زانو پر سر مبارک رکھا استراحت فرما رہے تھے کہ سانپ نے ابوبکر کا پاؤں ڈس لیا، مگر صدیق رضی اللہ عنہ پاؤں کو حرکت نہ دیتے تھے، مبادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استراحت میں خلل پڑے، جب آپ کی آنکھ کھلی اور قصہ معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک صدیق کے پاؤں کو لگا دیا جس سے فوراً شفا ہوگئی۔

ادھر کفار قائف کو ہمراہ لیکر (جو نشانہائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے، اس نے غار ثور تک نشان قدم کی شناخت کی مگر خدا کی قدرت کہ غار کے دروازے پر مکڑی نے جالا تن لیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دیدئے، یہ دیکھ کر سب نے قائف کو جھٹلایا اور کہنے لگے یہ مکڑی کا جالا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح سالم رہ سکتے تھے۔

ابوبکر صدیق کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر پڑتے تھے انہیں فکر تھی کہ جان سے زیادہ محبوب جس کے لئے سب کچھ فدا کر چکے ہیں دشمنوں کو نظر نہ پڑ جائیں، گھبرا کر کہنے لگے یا رسول اللہ اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر کی تو ہم کو دیکھ پائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر تیرا کیا خیال ہے ان دو کی نسبت جن کا تیسرا اللہ ہے یعنی جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے، اس وقت حق تعالی نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون واطمینان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اور آپ کی برکت سے ابوبکر کے

قلب مقدس پر نازل فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین روز غار ثور میں قیام فرما کر بعافیت تمام مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح وتوصیف میں ارشاد فرمایا: "وسیجنبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی ومالاحدٍ عندہ من نعمۃ تجزی الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلی ولسوف یرضیٰ"۔ (سورۃ اللیل)

اور اس (بھڑکتی ہوئی آگ) سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے، جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے، اور بجز اپنے عالی شاہ پروردگار کی رضاجوئی کے اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اتارتا ہو اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔ (ترجمہ حضرت مولانا عاشق الٰہی)

مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ساتھ دیا، جان سے بھی اور مال سے بھی، ہجرت سے پہلے بھی اور ہجرت کے بعد بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے فضائل ہیں، جن میں مال خرچ کرنے میں مسابقت کرنا بھی ہے، عموماً اللہ کی راہ میں تو مال خرچ کرتے ہی رہتے تھے، ایک مرتبہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی تو سارا ہی مال لیکر آگئے اور خدمت عالی میں پیش کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا اے ابوبکر تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا باقی رکھا، عرض کیا ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول ہی کافی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خیال کر رہے تھے کہ اس مرتبہ حضرت ابوبکر سے میں آگے بڑھ جاؤں گا اور اپنا آدھا مال لیکر آگئے تھے، جب یہ دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا پورا مال ہی لے آئے تو کہنے لگے کہ میں ان سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

فضائل صدیق اکبر احادیث کی روشنی میں:

حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا کہ تو میرا حوض اور غار کا ساتھی ہے۔ (ترمذی)

حضرت عمرو بن العاص نے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب آدمیوں سے زیادہ کون محبوب ہے، فرمایا عائشہ میں نے کہا مردوں میں فرمایا ابوبکر پھر عرض کیا کہ ان کے بعد فرمایا عمر ابن خطاب، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں جس کے دو وزیر آسمان سے اور دو وزیر زمین سے نہ ہوں، میرے دو وزیر جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام آسمان کے ہیں اور ابوبکر وعمر زمین کے وزیر ہیں۔

فضائل صدیق صحابہ کی نظر میں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق کے لئے فرمایا کہ 'اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے بہتر'۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر ہمارے سردار ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس امت میں اس کے نبی کے بعد ابوبکر وعمر سب سے افضل ہیں۔

فضائل سیدنا عمر ابن خطاب:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اللّٰھم اعز الاسلام بابی جھل ابن ھشام او بعمر ابن الخطاب"۔ (ترمذی)

خداوند قدوس! ابوجہل یا عمر ابن خطاب سے اسلام کو عزت وقوت عطا فرما۔

مکہ میں دو عمر تھے، دونوں ہی ظاہری قوت میں مشہور تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا نام لیکر انتخاب خدا پر چھوڑ دیا، میرے خدا نے دونوں کے دلوں کو جانچا، پرکھا، نتیجہ عمر بن خطاب کے نام نکل آیا۔

ابو جھل کا اعلان:

ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے غلاف کو تھامے خدا سے عمر کو مانگ رہے تھے، تاکہ اسلام کی عمر بڑھ جائے، اور ادھر ابوجہل اپنی بدبختی اور بدنصیبی کا مظاہرہ کر رہا تھا اور مکہ کی فضا میں اس کی آواز

گونج رہی تھی کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرے گا میں اس کو سو اونٹ انعام میں دوں گا، عمر تلوار لیکر قتل پیمبر کا ارادہ لیکر گھر سے روانہ ہوئے تو راستہ میں دعاء رسول کے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے۔

عمر تلوار بکف نکلے:

عمر بن خطاب تلوار لیکر قتل پیغمبر کا ارادہ لیکر گھر سے روانہ ہوئے نعیم بن عبداللہ سے ملاقات ہوگئی، نعیم نے پوچھا عمر اس تپتی ہوئی دوپہر میں کہاں کا ارادہ ہے کہ اس تیزی سے جارہے ہو، عمر نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نعوذ باللہ قتل کرنے جارہا ہوں، نعیم نے کہا کہ تمہارے بہنوئی سعید اور بہن فاطمہ محمد کا اسلام قبول کر چکے ہیں۔

عمر بہن بہنوئی کے دروازے پر:

عمر نے جاتے ہی دروازہ کھٹکھٹایا حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھولا تو عمر نے غصے سے کہا کہ یہ کیسی آواز تھی جو میں نے سنی، جواب دیا گیا قرآن کی آواز، عمر نے کہا معلوم ہوتا ہے تم دونوں بے دین ہوگئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی کو اس قدر مارا کہ وہ زخموں سے چور چور ہوگئے، فاطمہ چھڑانے کے لئے آگے بڑھیں تو عمر نے انہیں بھی مار مار کر لہولہان کردیا، جس کا نقشہ درج ذیل اشعار میں بڑے اچھوتے انداز سے کھینچا گیا ہے: ؎

بہن، بہنوئی کو آخر عمر نے اس قدر مارا
کہ زخموں سے نکل کر خون کی بہنے لگی دھارا

بہن بولی عمر تو آج ہم کو مار بھی ڈالے
شکنجوں میں کسے یا بوٹیاں کتوں سے نچوائے

مگر ہم اپنے دین حق سے ہرگز پھر نہیں سکتے
بلندی معرفت کی مل گئی ہے گر نہیں سکتے

عمر کا دل پسیج گیا:

بہن کو خون آلود دیکھ کر عمر بولے مجھے بھی وہ کتاب دکھاؤ، بہن بولی: "انک نجس وانہ لایمسہ الاالمطھرون" تو ناپاک ہے اور قرآن کو پاک ہی ہاتھ لگا سکتا ہے۔

قرآن نے عمر کی دنیا بدل ڈالی:

بالآخر عمر نے وضو یا غسل کیا، قرآن ہاتھ میں لیا، سورۃ طہٰ کی تلاوت شروع کی جب: "اننی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی واقم الصلاۃ لذکری" پر پہنچے آنسوؤں کا سیلاب بہہ پڑا اور بولے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر لے چلو۔

عمر دربار رسالت میں:

ان دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں مقیم تھے، عمر نے در رسول پر دستک دی، دروازہ کھل گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کے کرتے کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا اے خطاب کے بیٹے! اسلام قبول کر، یہ سنتے ہی عمر کی زبان پر "اشھدان اللہ لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ" جاری ہوگیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ عوالی مکہ میں سنا گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر اسلام لائے تو جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ آسمان والے ملائکہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے خوش ہیں (طبقات) اسلام عمر سے اللہ تعالی عبادت علانیہ ہونے لگی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی نے حق کو عمر کی زبان وقلب پر جاری فرمادیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر میرے بعد نبی ہوتے تو عمر بن خطاب ہوتے"۔

فاروق اعظم کا سرکاری خطاب:

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تھے تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم حق پر ہیں تو یہ اخفاء کیوں پس ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر مسجد میں داخل ہوئے، قریش نے مجھے اور ہمزہ کو دیکھا تو سخت غمگین اور رنجیدہ ہوئے، اسی وجہ سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو فاروق کا لقب عنایت فرمایا۔

فضائل عثمان:

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کا رفیق ہوتا

ہے، اور میرے رفیق (جنت میں) عثمان ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن خباب بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لئے چندہ کی ترغیب دے رہے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میرے ذمہ سو اونٹ ہیں مع ساز و سامان کے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دلائی حضرت عثمان کھڑے ہوئے اور عرض کیا میرے ذمہ تین سو اونٹ ہیں مع ساز و سامان کے، حضرت عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ممبر سے اترے اور فرمایا عثمان پر کوئی گناہ نہیں ہے اب جو بھی عمل کرے یہ جملہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا۔

حضرت عثمان سفیر رسول:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ساتھ لیکر عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ کے لئے روانہ ہوئے، جب حدیبیہ مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ آپ کو کسی قیمت پر مکہ مکرمہ نہیں جانے دیں گے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ مقام پر پڑاؤ ڈالدیا اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے حضرت عثمان کو مکہ مکرمہ بھیج دیا، اہل مکہ سے بات چیت چل ہی رہی تھی کہ مسلمانوں میں کسی طرح یہ بات پہنچ گئی کہ حضرت عثمان کو مکہ مکرمہ میں قتل کر دیا گیا ہے،، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع فرما کر حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بیعت فرمائی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے، پھر اپنے اس ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے۔

قرآن نے عظمت عثمان کی گواہی دی:

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان کی طرف سے بیعت لے چکے تو قرآن نازل ہوتا ہے ارشاد ہوتا ہے: لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ" یقیناً اللہ راضی ہو گیا ان لوگوں سے جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی۔

مسلمانوں کے لئے پانی ہی پانی:

مدینہ طیبہ آ کر مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف ہوئی، پینے کے پانی کا ایک کنواں بیر رومہ کے نام سے مشہور تھا، جو ایک یہودی کی ملکیت تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو بیر رومہ کو خریدے اور وقف کرے اس کے لئے جنت ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۳۵ / ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

ذی النورین کا سرکاری کا تمغہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ جوان ہے جو ملأ اعلی میں ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد تھا اور اس کے نکاح میں یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں آئیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اے عثمان یہ جبرئیل امین میری طرف اللہ تعالی کی طرف سے خبر لائے ہیں کہ اللہ تعالی نے آپ کا نکاح ام کلثوم سے کر دیا ہے مہر رقیہ کے مثل پر۔

فضائل سیدنا علی مرتضی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، حضرت علی کی عمر دس سال تھی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ الکبری کو مصروف عبادت دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی برائی بیان کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علی نے عرض کیا اپنے والد ابو طالب سے دریافت کروں گا، دوسرے دن ہی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہو گئے۔

کفر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے قریش کی منتخب جماعت کاشانہ نبوت کے دروازہ پر جمع ہو گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

علی سے فرمایا تم آج کی رات میرے بستر پر سو رہو اور میری سبز چادر اوڑھ لو اور اس میں سو جاؤ، یہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے، علی بستر نبوت پر سو گئے، حضرت علی سے اللہ تعالی نے وہ کام لیا جو عشق و مستی کی دنیا میں تا قیامت زندہ و تابندہ رہے گا۔

داماد رسول علی مرتضیٰ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالی کا حکم ہوا ہے کہ فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں اور آپ تمام کو اس کا گواہ بنادوں۔

فاتح خیبرکا اعزاز:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم خیبر میں کہ کل میں اس شخص کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالی فتح عطا فرمائیں گے، صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی ابی طالب کہاں ہیں، عرض کیا گیا ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کی آنکھوں پر لعاب دہن لگایا اور شفاء کیلئے دعا فرمائی، حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری آنکھوں میں کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں، چنانچہ جھنڈا حضرت علی کو دیدیا اور اللہ تعالی نے خیبر فتح کرادیا۔

اقضاھم علی :

جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے عہدہ قضا کے لئے آپ کو منتخب فرمایا، حضرت عمر فرمایا کرتے تھے ہم میں مقدمات کے فیصلوں میں سب سے زیادہ موزوں علی ہیں، اور سب سے بڑے قاری اُبی ہیں۔ (مستدرک)

حضرت علی کی سخاوت:

آپ کی سخاوت پر قرآن نازل ہوا: "ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا" یعنی وہ اللہ کے رضا کے لئے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

زبان نبوت اور علی مرتضیٰ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام میں مواخاۃ (بھائی چارہ) قائم کرائی تو حضرت علی سے فرمایا "انت اخی فی الدنیا والآخرۃ" تو میرا دنیا اور آخرت میں بھائی ہے، ایک دوسری حدیث میں ہے، تو میرے لئے ایسا ہے جیسا کہ موسی کیلئے ہارون علیہما السلام، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، ایک دفعہ ارشاد فرمایا جس کا میں دوست ہوں تو علی بھی اسی کا دوست ہے۔

تمام صحابہ معیار حق ھیں:

کیونکہ ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر اللہ تعالی نے شہادت دی ہے :"اولئک ھم الراشدون اولئک ھم المفلحون" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں یہ اس امت کے بہترین لوگ ہیں، ان کے دل پاکیزہ، علم نہایت گہرا، تکلفات کا نام ونشان نہیں، اللہ تعالی نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کو قائم کرنے کیلئے، منتخب کیا ہے، ان کے فضائل ومناصب کو پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو، ان کے اخلاق اور سیرت کو اپناؤ، یہی لوگ تھے جو سیدھی راہ پر قائم ودائم تھے۔

اصحاب رسولؐ کے دلوں کا انتخاب اللہ تعالی نے کیا:

اللہ تعالی نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پایا، تو اسے چن لیا اور رسالت کے منصب سے سرفراز فرمایا، پھر اللہ تعالی نے تمام لوگوں کے دلوں پر نظر ڈالی قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالنے کے بعد تو عام لوگوں کے دلوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دلوں کو بہترین پایا، پھر ان کو چن لیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وزراء کی حیثیت سے، جو اس کے دین کی سربلندی اور سرفرازی کے لئے جہاد کرتے رہیں گے (استیعاب)

اللہ تعالی ہمیں صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور قیامت کے دن ان کی برکات سے مالا مال فرمائے۔

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: صید القلم

نام مؤلف: مولانا محمد نعمان الدین ندوی

صفحات: ۸۰۸/ قیمت: درج نہیں

ناشر: مؤسسۃ الھدایۃ للدراسۃ والبحوث الاسلامیہ جامعہ ہدایت جے پور

پیش نظر کتاب ''صید القلم'' عربی زبان میں ہے، جو عربی زبان کے معروف ادیب مولانا محمد نعمان الدین ندوی کے اشہب قلم سے نکلا ہوا زبان وادب کا ایک بہترین شاہکار ہے، مولانا محمد نعمان الدین صاحب حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فرزند ارجمند، ندوۃ العلماء کے فاضل اور مدینہ یونیورسٹی کے فارغ، جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد کے استاد ادب اور وہاں کے عربی مجلّہ ''الصحوۃ الاسلامیۃ'' کے مدیر اور عربی زبان کے زبردست ادیب اور قلم کار ہیں، اللہ نے ان کے قلم میں سلاست، روانی، جاذبیت اور بانکپن رکھا ہے، وہ جب لکھتے ہیں تو ان کا قلم موتی بکھیرتا ہے اور عربی زبان کی تعبیرات برجستہ ان کے اشہب قلم سے صفحہ قرطاس پر منتقل ہوتی ہیں۔

پیش نظر کتاب میں انہوں نے اٹھارہ مرکزی عناوین قائم کئے ہیں، جن کے تحت انہوں نے اپنے وہ مقالات ومضامین جمع کئے ہیں، جو انہوں نے گزشتہ بیس پچیس سال کے درمیان لکھے ہیں، اور اکثر وہ ان کی زیر ادارت نکلنے والے رسالہ ''الصحوۃ الاسلامیۃ'' میں شائع ہو چکے ہیں، کتاب کے مرکزی عناوین یہ ہیں، کتاب وسنت اور عقیدے کے مباحث، صحابہ کرام، علم وادب، منہج اسلامی، عربی زبان، اصلاح وتربیت، قیادت وسیادت، حاضر الائمہ، صور وخواطر، تحیۃ وترحیب، سعودیہ، فلسطین، مصر، عراق، ہند، ہمارے اور ان کے درمیان، نقد ومحاسبہ، کتب ومجلّات پر تعلیق، ان عناوین سے کتاب کی ضخامت، معنویت اور اہمیت وافادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، قابل مبارک باد ہیں مؤلف محترم کہ انہوں نے ان ادبی شہ پاروں اور بکھرے موتیوں کو ایک جگہ جمع کر کے قلم کا شکار بنا دیا ہے، باذوق طلبہ اور قارئین سے امید ہے کہ اس کتاب کو حاصل کر کے اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور زبان وادب کی تعبیرات اور باریکیوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

نام کتاب: تفسیری خطبات

مؤلف: مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری

صفحات: ۲۸۰/ قیمت: درج نہیں

ناشر: مکتبہ تفسیر القرآن نزد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

پیش نظر کتاب مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری استاد تفسیر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے مختلف تفسیری خطبات کا ایک مجموعہ ہے، موصوف کو اللہ تعالی نے زبان وبیان کی صلاحیت عطا کی ہے، جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے یہ خطبات مختلف مواقع پر پیش فرمائے ہیں، اور مختلف اصلاحی، دعوتی ضروری عناوین کو اپنے خطبات کا موضوع بنایا ہے، جس سے سامعین محظوظ ہوئے، مگر زبانی خطبات وقتی ہوا کرتے ہیں، اس لئے ان کی افادیت اور اہمیت کو باقی رکھنے کے لئے اور سامعین کے علاوہ غائبین تک ان کا پیغام پہنچانے کے لئے ان کو تحریری شکل میں لایا گیا، اور خوبصورت اور اچھے انداز میں ان کو ترتیب دیا گیا، موضوع کا بھرپور احاطہ کیا گیا ہے، اور عام فہم انداز میں بات سامعین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے، جو خود مستقل ایک ہنر ہے، اور جس کو یہ ہنر مل جائے تو وہ اپنے مافی الضمیر کو عمدہ اور اچھے انداز میں ادا کر کے سامعین کے دلوں کی دھڑکن بن سکتا ہے، پیش نظر خطبات میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے، کتاب کے عناوین دیکھئے:

(۱) السلام علیکم	(۲) تکبیر اولی
(۳) نمازی صف اول کے	(۴) تلاوت کا ثواب
(۵) حلال کی برکت	(۶) حرام کی نحوست
(۷) مال کا غلط استعمال	(۸) امت مسلمہ اور اسراف
(۹) اہل وعیال پر خرچ کی فضیلت	(۱۰) نیک عمل کا فائدہ

(۱۱) بدلہ دینا میں بھی (۱۲) گناہ کی سزا دنیا میں بھی
(۱۳) گناہ کے خاص خاص نقصانات (۱۴) حسد ایک مہلک بیماری
(۱۵) صلہ رحمی کا ثواب (۱۶) قطع رحمی کا عذاب
(۱۷) جھوٹ کی قباحت (۱۸) سچ میں نجات
(۱۹) ہمیشہ باوضو رہنے کی فضیلت (۲۰) ایفائے عہد کی اہمیت
(۲۱) والدین نعمت ہیں (۲۲) بیٹی رحمت ہے
(۲۳) روزہ کے روحانی وجسمانی فوائد (۲۴) دعا آداب وفضائل
(۲۵) شب قدر کے فضائل اوراس کے اعمال

ان عناوین سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، امید ہے کہ قارئین اس کو حاصل کرکے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے، اللہ تعالی موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے یہ اچھا قدم اٹھایا اور ان خطبات کو کتابی شکل میں پیش کردیا، ائمہ مساجد، خطباء اور طلبہ کے لئے خاصے کی چیز ہے، اللہ تعالی قبول فرمائے۔

نام کتاب: چائنا میرے آگے

نام مؤلف: مولانا محمد سمعان خلیفہ ندوی

صفحات: ۱۰۴/ قیمت: ۱۰۰/

ناشر: معہد امام حسن البناء شہید بھٹکل پوسٹ بکس ۱۳ (کرناٹک)

زیر تبصرہ کتاب ''چائنا میرے آگے'' ایک سفرنامہ کی مختصر مگر اہم روداد ہے، جو سفر ۱۸/ستمبر ۲۰۱۴ء سے ۸/اکتوبر ۲۰۱۴ء تک چین کے مختلف شہروں میں ہوا، جن میں ہنزو، شانگھائی، یو (مشرقی چین) لانزو، لنشیا، شینگ شی آن (وسطی چین) شامل ہے، اس سفر میں تین علماء شامل تھے، جن میں صاحب کتاب مولانا محمد سمعان خلیفہ ندوی، مولانا فیصل احمد ندوی، مولانا ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی ہیں، ۱۸/دن کے اس سفر میں مولانا سمعان صاحب نے چین کے جو دل کش قدرتی مناظر، عجائبات قدرت، مساجد اور تعلیمی مراکز اور وہاں کی دینی، دعوتی سرگرمیاں دیکھیں اور وہاں جن چیزوں کا مشاہدہ کیا، تمام کو بہت ہی دل آویز، البیلے خوبصورت انداز میں تحریر کیا ہے، جس سے صرف یہ کتاب سفرنامہ ہی نہیں بلکہ اردو ادب کا بھی ایک شاہکار معلوم ہوتا ہے، اور دلچسپ ایسی ہے کہ آدمی پڑھنا شروع کرے تو ختم کئے بغیر نہ رہے، بہر حال کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، کتاب کے وسط میں وہاں کی تاریخی حسین عمارتوں، مسجدوں کی یادگار تصویریں آٹھ رنگین صفحات پر مشتمل ہیں، کتاب کے شروع میں مولانا ناصر اکرمی صاحب کا عرض ناشر ہے، پھر مصنف کا عرض حال ہے، پھر حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی کے کلمات دعائیہ اور اخیر میں مولانا عمیر صدیقی ندوی کا مقدمہ ہے، مولانا سمعان صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اپنے چین کے سفر کی روداد کو قلم بند کردیا، اور اس طرح ان لوگوں کو بھی چین کی سیر کرانے کا سامان مہیا کردیا، جو ابھی تک چین نہ جاسکے، امید ہے کہ قارئین حاصل کرکے فائدہ اٹھائیں گے۔

نام کتاب: دعا کے فضائل اور طریقہ مقبولیت

مؤلف: مولانا عزیر احمد ریاض مظاہری قاسمی

صفحات: ۵۶/ قیمت: ۲۰

ناشر: نورانی بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور

پیش نظر کتاب دعاء کے فضائل اور طریقہ مقبولیت مولانا عزیر احمد صاحب قاسمی مظاہری کا تالیف کردہ ہے، موصوف کی قلمی میدان میں یہ دوسری کاوش ہے، اس سے پہلے وہ ''تحفہ درود وسلام'' کے نام سے کتاب شائع کرکے قدرداں حضرات سے داد حاصل کرچکے ہیں، اب یہ رسالہ لکھ کر انہوں نے اپنی صلاحیت کے مزید جوہر دکھائے ہیں، ماشاء اللہ اچھے انداز میں انہوں نے دعا کے فضائل، آداب، مستحبات، دعا کے ارکان، دعا کی قبولیت کے شرائط، قبولیت دعا کے مقامات، دعا کے مکروہات، قبولیت دعا کے اصول اور پھر دوسری ہر وقت پڑھی جانے والی دعائیں اس کتاب میں جمع کردیں ہیں، کتاب بہت دلچسپ اور آسان ہے، زبان سادہ استعمال کی گئی ہے، جس کی وجہ سے ہر آدمی فائدہ اٹھا سکتا ہے،

مولانا موصوف استاد محترم مولانا ریاض احمد مظاہری کے صاحبزادے ہیں، اللہ تعالی ان کی سعی کو قبول فرمائے اور مزید تصنیف وتالیف اور تحقیق کے کام میں آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔